ستمبر ۱۹۶۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ میثاق لاہور

★ ★

زیر سرپرستی
مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر مسؤل
اسرار احمد

جلد ۱۵	ستمبر ۱۹۶۸ء	عدد ۸، ۹

فہرست

★ تذکرہ و تبصرہ ــــــــــــــــــــــ اسرار احمد ۳

★ تدبر قرآن ★ تفسیر سورۂ مائدہ (۵) ـــــ مولانا امین احسن اصلاحی ۱۷

★ مقالات ★ سائنس کی بے خدائیت کے خلاف اقبال رحمہ کا جہاد ــ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے - پی ایچ ڈی - ڈی لٹ ۳۹

★ تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش (۶) آخری ـ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۵۷

★ تقریظ و تنقید ★ تفسیر ماجدی جلد اول : مولانا عبدالماجد دریا بادی (امین احسن اصلاحی) ۷۳

★ معارف القرآن تالیف قاضی محمد زاہد الحسینی (یوسف سلیم چشتی) ۷۴

★ انوار مجددی تالیف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ــ (اسرار احمد) ۷۵

★ متفرقات ★ تعارف حلقہ مطالعہ قرآن جھنگ ـــــــ محمد فیاض عادل ۱۴

★ اعلان : نادر کتب برائے فروخت ــــــــــــ ۷۱

★

یکے از مطبوعات

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ ، کرشن نگر ، لاہور - 1 (فون 69522)

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

دارُالاشاعت الاسلامیہ لاہور

کا مقصد

عُلومِ قرآنی کی عُمومی نشرواشاعت

ہے : تاکہ

(۱) عوام کی توجّہات قرآن حکیم کی جانب مُنعطف ہوں، ذہنوں پر اُس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اُس کی محبّت جاگزیں ہو ـــــــ اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

(۲) بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور اُن میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدروقیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پُوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشرواشاعت کیلئے وقف کر دیں

تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام

کی راہ ہموار ہو سکے!

وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ

ماہنامہ **میثاق** لاہور

قواعد وضوابط

- میثاق ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ میں تاریخ تک دفتر کو موصول ہونی چاہیے ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جاسکے گا۔
- ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے • پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا۔
- کمیشن ۲۵ فی صد ـ محصولڈاک بذمہ میثاق
- قیمت: فی پرچہ ۵۰ پیسے • سالانہ زرمبادلہ ساڑھے سات روپے

مشرقی پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک پندرہ روپے

نرخنامہ اشتہارات

- ٹائٹل کا آخری صفحہ "۵ × "۷ ۱۲۵ روپے
- ٹائٹل کے اندرونی صفحات "۵ × "۸½ ۱۰۰ روپے

(ان کیلئے بلاک مہیا کیجئے ورنہ ٹائپ کی طباعت ہوگی)

- اندرونی صفحات۔ فی صفحہ ۷۵ روپے۔ نصف صفحہ ۵۰ روپے

ہندوستان کے خریدار

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقوم ارسال کرکے ہمیں مطلع فرمادیں:

۱۔ دفتر ماہنامہ "الفرقان" کچہری روڈ۔ لکھنؤ ۲۔ دائرۂ حمیدیہ۔ سرائے میر، اعظم گڑھ

اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہوچکا ہے۔ آئندہ کے لیے • سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ یا • اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری نہ رکھنا چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں ورنہ • آئندہ شمارہ آپکو سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

الدنیا ملعونۃ و ملعون ما فیھا الا
ذکر اللہ وما والاہ او عالمٌ او متعلمٌ
(حدیث نبوی)

پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب قابلِ لعنت ہے سوائے ذکر الٰہی کے
یا اس کے جو اس سے متعلق ہو یا عالم یا طالب علم

مولانا امین احسن اصلاحی
کا

ہفتہ وار درسِ قرآن وحدیث

اب ہر جمعہ کو ـــــــ شام کے ساڑھے پانچ بجے
۶۔ اے، امرت روڈ، کرشن نگر۔ لاہور
میں منعقد ہو رہا ہے۔
(آجکل سورۃ الانعام زیر درس ہے!!)

اس کے علاوہ

حلقہ ہائے مطالعہ قرآن

کے اجتماعات حسب ذیل پروگرام کے مطابق منعقد ہوتے ہیں۔

سمن آباد۔ اتوار۔ صبح ۸ بجے، ۱۱۲ اے (۱۲)، سمن آباد
دل محمد روڈ۔ جمعہ ۹½ بجے شب، مکان ۱۲، کوچہ اسماعیل حسین
کرشن نگر (۱)۔ بدھ ۹½ بجے شب، ۶۔ اے، امرت روڈ، کرشن نگر
کرشن نگر (۲)۔ پیر۔ بعد نماز عشاء، جامع مسجد، ہرن روڈ، ״

ڈاکٹر اسرار احمد درس قرآن دیتے ہیں
شرکت کی عام دعوت ہے

کن عالماً او متعلماً او سامعاً ولا تکن رابعاً
(عالم۔ متعلم یا سامع میں سے ایک ضرور بنو!)

اسرار احمد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

" اسلام کی نشاۃ ثانیہ " نامی کتابچے پر جو مضمون روزنامہ 'پاکستان ٹائمز' لاہور کے ایک کالم نویس نے جو 'زینو' ('ZENO') کے قلمی نام سے لکھتے ہیں تحریر کیا تھا اس کا تذکرہ 'میثاق' کے گزشتہ شمارے میں کیا جا چکا ہے۔ اس مضمون کی اشاعت کے فوراً بعد اس پر چند تنقیدی خطوط 'پاکستان ٹائمز' میں شائع ہوئے۔ جن کا جواب 'زینو' نے " مودودیت اور نیشنلزم " نامی مضمون میں دیا۔ اور اس کے بعد سے جو ایک طویل مسلسل خطوط اور مضامین کا شروع ہوا تھا، وہ اب تک جاری ہے۔ اس سلسلے نے اب جو صورت اختیار کر لی ہے اس کا تعلق تو راقم الحروف کی تحریروں سے نہیں ہے، البتہ اس کے ابتدائی خطوط اور مضامین میں چونکہ راقم کی تحریریں بھی زیر بحث آئی ہیں لہذا اس کے ضمن میں کچھ وضاحتیں ضروری ہیں۔

'اسلام کی نشاۃ ثانیہ' پر جو اصل مضمون 'زینو' کے قلم سے "ISLAMIC REN-AISSANCE" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :

" تاریخ عالم اسلامی کے حالیہ دور کو عموماً دورِ احیاءِ اسلام قرار دیا جاتا ہے۔ گزشتہ ایک سو سال کے دوران جتنی تحریکیں عالم اسلام میں برپا ہوئیں خواہ وہ خالص علمی و ادبی تھیں خواہ سیاسی و عمرانی، ان سب کا بنیادی ہدف ایک ہی رہا ہے ــــ یعنی اسلام کا ایک عقیدے اور نظام فکر اور ایک معاشرے اور ریاست کی حیثیت سے از سر نو احیاء ......

...... ان تحریکوں کے مقاصد اور ان کی تاریخ کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر

سے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن مفتی عبدہ اور جمال الدین افغانی کی دعوت تجدید فکر اسلامی کے بعد سے اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں بہت کچھ غلط مبحث پایا جاتا ہے بلکہ ماضی قریب میں تو اس بحث کا اصل موضوع ان مابعد الطبیعیاتی نظریات کے بجائے جو پورے مسئلے کی اصل بنیاد ہیں کچھ سیاسی امور بن کر رہ گئے ہیں۔ علامہ اقبال وہ آخری مفکر تھے جنہوں نے اپنی کسی سیاسی غرض کو پورا کرنے کی بجائے ان اصل اساسی امور سے دیانتدارانہ بحث کی ......
ماضی قریب میں بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اور سیاسی و غیر سیاسی اداروں کی جانب سے فکر اسلامی کے احیاء کے لیے دعوتوں اور تحریکوں کا آغاز ہوا ہے۔ ان میں سب سے تازہ اور سب سے زیادہ دلچسپ دعوت ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک پمفلٹ کی صورت میں منصۂ شہود پر آئی ہے .... یہ پمفلٹ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" ایک نہایت اہم دستاویز ہے جسے ہر مسلمان کو لازماً پڑھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس میں دورِ جدید میں ہم بحیثیت مسلمان جن پیچیدگیوں کا شکار ہیں ان کے اساسی و بنیادی مسئلے سے جس حقیقت پسندانہ طرز پر تعرض کیا گیا ہے اس کی مثال آجکل بہت کم ملتی ہے۔!"

اس کے بعد پورے کتابچے کی ایک تلخیص دی گئی ہے جس کے لیے صاحب مضمون راقم کی جانب سے مبارکباد اور شکریے دونوں کے مستحق ہیں۔ مبارکباد اس پر کہ انہوں نے جو تلخیص کی ہے وہ بالکل صحیح اور اصل کے بالکل مطابق ہے۔ اور اس کے ذریعے راقم کی نہایت "وفادارانہ" (FAITH FUL) ترجمانی ہوئی ہے اور شکریہ اس پر کہ وہ راقم کے خیالات کی ایک نہایت وسیع حلقے میں اشاعت کا ذریعہ بنے۔

کتابچے کا پہلا حصّہ جو زیادہ ردّ و قدح کا موضوع بنا ہے، اس کی تلخیص "ڈینو" نے ان الفاظ میں کی ہے:

"ابتداء میں ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی دعوت کے پس منظر کو متعین کیا ہے۔ ان کے تجزیہ کے مطابق پوری دنیا کے موجودہ تمدن و کلچر پر مغربی تہذیب کے مادّہ پرستانہ افکار و نظریات کا کامل غلبہ و تسلّط ہے۔ ان کی رائے میں گزشتہ دو صدیوں کے دوران عالم اسلام نے ان افکار و نظریات کی تردید و ابطال کی مسلسل

کوشش کی ہے لیکن ایسی تمام کوششیں تاحال ناکامی ہی سے دوچار ہوئی ہیں۔ ان کوششوں کے دوران ایک طرف اسلام اور جدید یا مغربی ثقافت کے مابین مصالحت کی سعی کی گئی (سرسید اور محمد عبدہؒ) اور دوسری طرف مغربی فکر کو کلیۃً رد کر کے خود کو اس سے بالکل علیحدہ و منقطع رکھنے کا رویہ اختیار کیا گیا (دیوبند کا مکتب فکر)۔ ڈاکٹر صاحب موخر الذکر کی تصویب کرتے ہیں اس لئے کہ ان کی رائے میں پہلی قسم کی کوششوں سے خواہ وہ کتنے ہی اخلاص پر مبنی ہوں مغرب کی مادہ پرستی کے زیر اثر دین و مذہب کا ایک کم و بیش ملحدانہ و لادینی ایڈیشن تیار ہوا جو اصل مذہب کی بجائے اس کی جانب سے بس ایک "معذرت" کا درجہ رکھتا ہے ——— اس کے برعکس دوسری قسم کی کوششیں اگرچہ بظاہر "قدامت پسندی" کی مظہر نظر آتی ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس اعتراف کے ساتھ کہ عالم اسلام میں اس وقت مغرب کے فکر و فلسفے کے کھلے مقابلے کی سکت نہیں ہے اپنے آپ کو سیلاب کی منجدھار سے ہٹا لیا لیکن درحقیقت ان کا یہ رویہ "حقیقت پسندی" پر مبنی ثابت ہوا۔ اور ان کے ذریعے دین و مذہب کی روح کا کچھ نہ کچھ تحفظ ہو گیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے میں بیسویں صدی عیسوی میں "اسلامی نظام کے قیام" کی متعدد تحریکیں عالم اسلام میں برپا ہوئی ہیں اور کچھ ان کی بدولت اور کچھ مختلف مسلمان ملکوں میں حریت و آزادی کے لئے جو قومی تحریکیں اٹھیں، ان کی کامیابیوں کی بدولت پورے عالم اسلام میں مغربی فکر و فلسفے کے مقابلے میں ایک نئی خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوا ہے ——— اس کے علاوہ خود مغرب میں بعض علمی و فکری تحریکوں سے مغرب کے مادہ پرستانہ تہذیب و تمدن کو دھکا لگا ہے۔ جن میں خاص طور پر قابل ذکر امر یہ ہے کہ سائنس کے جدید نظریات کی رو سے نیوٹن کی طبیعیات کا بھانڈا پھوٹ گیا اور خود مادہ نے تحلیل ہو کر قوت محض کی صورت اختیار کر لی جس سے روحانیت کو کسی قدر سہارا ملا .... ان نظریاتی و سیاسی تبدیلیوں سے تقویت پا کر "احیائے اسلام" "قیام حکومت الٰہیہ" اور "نفاذ نظام اسلامی" کی متعدد تحریکیں عالم اسلام میں برپا ہوئیں جن میں سے ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک مصر کی "اخوان المسلمون" اور برصغیر ہند و پاک کی "جماعت اسلامی" کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

لیکن اس کے باوجود ان تحریکوں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ان کے "رشد و نمو" کا دور ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ الاخوان کا مصر میں خاتمہ ہو چکا ہے۔ اور

جماعت اسلامی کا جزو اعظم پاکستان کی قومی ریاست کا استحکام اور تحریک جمہوریت کا حاشیہ
بردار بن کر رہ گیا ہے!" (پاکستان ٹائمز لاہور۔ جون ۶۸ء)

مضمون کے دوسرے حصے میں ان تحریکوں کی ناکامی کے اسباب پر جو تجزیہ کیا گیا تھا اور ان کے تصورِ دین کا جو تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا تھا اس کی تلخیص پیش کی گئی ہے اور ساتھ ہی دراصل اسلام کی شرطِ لازم ——— "تجدیدِ ایمان" ہے مضمون میں قرآن حکیم کی بنیاد پر ایک اعلیٰ سطح کی علمی تحریک برپا کرنے کی جو تجویز پیش کی گئی تھی اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا مضمون کے اس حصے پر بہت کم ردّ و قدح ہوئی ہے۔ اصل لے دے پہلے حصے پر ہوئی ہے۔ بلکہ اس کے بھی صرف ایک جزو پر جو جماعت اسلامی سے متعلق ہے!!

چنانچہ حیدر آباد سے ایک صاحب نے جن سے راقم الحروف ان کے پورے خاندان کی جماعت اسلامی کے ساتھ شدید فکری و قلبی وابستگی کی بنا پر ہی ذاتی طور پر واقف ہے۔ اس دعوے کے ساتھ کہ "میں کبھی بھی جماعت اسلامی سے زیادہ قریب نہیں رہا" (گویا "غیر جانبداری" کا لبادہ اوڑھ کر!) "ذہنوں" کے مذکورہ بالا مضمون کی اشاعت اور اس میں جماعت اسلامی کو ایک "مردہ تحریک" قرار دینے پر شدید احتجاج کیا اور راقم الحروف اور "ذہنوں" کی لاعلمی کا ماتم کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے ایک زندہ و فعال جماعت ہونے اور اس کے اثر و نفوذ کی روز بروز ترقی پذیر ہونے پر مندرجہ ذیل چار عظیم الشان دلائل قائم کئے ہیں۔

اوّلاً یہ کہ جماعت اسلامی نے پاکستان بھر میں مذہبی اور عام درس گاہیں قائم کی ہیں۔
دوسرے یہ کہ اس نے ملک کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں مفت علاج کے لئے ہسپتال کھولے اور ڈسپنسریاں قائم کی ہیں۔
تیسرے یہ کہ جماعت کے کارکن منظم پروگرام کے تحت تبلیغی دوروں پر جاتے ہیں اور
چوتھے یہ کہ اس نے خاص طور پر پاکستان کے مسلمانوں اور عام طور پر پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کے سیاسی شعور پر گہرا اثر ڈالا ہے۔

یہ دلائل عقلی اگرچہ پیش تو ہم "آفتاب آمد دلیل آفتاب!" کی سی شانِ ادّعا کے ساتھ کئے گئے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ایک "عظیم اسلامی تحریک" کی جانب سے ثلث صدی کی برسرِکار رہنے کے بعد اپنی حیات کے اثبات کے لیے ان شواہد کا پیش ہونا فی نفسہٖ "ہم میں ہوں اپنی شکست کی آواز!" کے مترادف ہے ——— بہرطور چونکہ فاضل مکتوب نگار کے قول کے مطابق جماعت اسلامی کی موت کا سرٹیفکیٹ (DEAT CERTIFICATE) راقم کا جاری کردہ تھا اور "ذہنوں" صرف اس کی تصدیق (AT TESTATION) کے مرتکب ہوئے

تھے —— لہٰذا اب جماعت کی حیات —— (بلکہ بقول مکتوب نگار اس کے شباب) پر جو دلائل قائم کیے گئے تھے ان کا جواب بھی اصلاً راقم ہی کے ذمے تھا۔ لیکن یہاں پھر راقم "زینو" کا ممنون ہے کہ انہوں نے راقم کی جانب سے 'جواب' کا حق ادا کر دیا۔

انہوں نے اولاً جانبداری اور غیر جانبداری کے مسئلے پر بحث کی اور "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" پر جو کچھ انہوں نے لکھا تھا اس کا اصل سبب بیان کیا:

> "مسٹر باجوہ (مکتوب نگار) جماعتِ اسلامی کے رکن نہیں ہیں تو میں بھی تنظیم اسلامی کا ممبر نہیں ہوں۔ اور اگر وہ بقول خود — کبھی بھی جماعتِ اسلامی سے زیادہ قریب نہیں رہے — اور بایں ہمہ انہوں نے جماعت کی مدافعت کی کوشش کی ہے۔ تو میں بھی ڈاکٹر اسرار سے کوئی قریبی تعلق نہیں رکھتا۔ اور میری رائے میں انہیں اپنی مدافعت کے سلسلہ میں کسی مدد کی حاجت بھی نہیں! —— ان کے کتابچے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" پر کچھ لکھنے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ عوام کو ایک ایسی نئی نظریاتی رُو سے متعارف کرایا جائے جو میرے نزدیک اہمیت کی حامل ہے۔ ثقافتی معاملات پر تبصرے تحریر کرنے میں میں اس اصول کا پابند ہوں کہ بجائے اپنے خیالات اور نظریات کو ٹھونسنے کے میں امکان بھر زیادہ سے زیادہ معروضی مطالعہ پیش کروں۔ ڈاکٹر اسرار کے کتابچے پر جو مضمون میں نے لکھا تھا اس میں بھی میں نے انہی کے خیالات کا خلاصہ پیش کیا تھا اور اس کی حیثیت میرے فیصلے کی نہ تھی ......"

اس کے بعد "زینو" نے فاضل مکتوب نگار کے 'ادلۂ اربعہ' کا جائزہ لیا۔ اور مکاتب و مدارس اور ہسپتالوں (؟) اور ڈسپنسریوں کے اجراء کا جو تذکرہ بڑے زور شور اور کرّوفر کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کے ضمن میں تو صرف اس پسّو کی مثال بیان کرنے پر اکتفا کیا جس نے کسی چھکڑے کو بلندی کی طرف کھینچ کر لے جانے والے گھوڑے کے کان میں چمٹے ہوئے ہونے کی بنا پر گھوڑے کی ساری کارکردگی اور محنت و مشقت کا سہرا اپنے سر باندھ لیا تھا ——، اور تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں بھی مختصراً اس تصریح کے ساتھ کہ یہ ایسا کوئی انوکھا کام نہیں، چھوٹے بڑے پیمانے پر ہر جماعت یہ کام کرتی ہی ہے، یہ اہم اور بنیادی سوال اٹھایا کہ آیا ان 'تبلیغی دوروں' کا اصل مقصد 'تبلیغ دین' ہے یا محض اقتدار کے حصول کی خاطر جماعتی پروپیگنڈا؟ البتہ چوتھے نکتے پر مفصل بحث کی۔ اور جماعت اسلامی نے 'سیاسی فکر' کے میدان میں جو رول

ادا کیا ہے اس کا مفصل جائزہ لیا۔

اس ضمن میں 'زینو' نے ایک رائے تو راقم کی نقل کی ہے یعنی یہ کہ :

"ان (راقم) کی رائے میں یہ رول قطعاً منفی رہا ہے اور اس رول کو ادا کرنے کی کوشش میں جماعت خود اپنے نظریات، طریقِ کار اور اصولوں سے کُلّی انحراف کی مرتکب ہوئی ہے!"

اور دوسرے خود اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے کہ :

"یہ (متذکرہ بالا) رائے ڈاکٹر اسرار کی ہے۔ میری اپنی رائے، جس پر بحث کا یہ موقع نہیں، یہ ہے کہ جماعت اسلامی اپنے اصل مقصد یعنی اس ملک اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے سیاسی فکر میں مسلسل انتشار برپا کئے رکھنے پر مسلسل عمل پیرا رہی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ آزادی سے قبل یہ مقصد تحریکِ پاکستان کی مذہبی بنیادوں پر مخالفت سے حاصل کیا گیا تھا اور آزادی کے بعد مسلمانوں کی اس قومی ریاست کی جڑیں کھود کر حاصل کیا جا رہا ہے — تاہم میری اس رائے پر تفصیلی بحث کا موقع یہ نہیں ہے۔!"

چونکہ خود 'زینو' کی رائے میں ان کے موقف پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں لہٰذا ہم بھی اس پر کوئی رائے پیش نہیں کرتے البتہ ایک بار پھر اس امر پر ضرور داد دیتے ہیں کہ خود اس انتہائی رائے کے حامل ہونے کے باوجود انہوں نے ہمارے موقف کو نہایت دیانتداری و وفاداری کے ساتھ پیش کیا ہے! ان کے یہ الفاظ راقم کے موقف کی نہایت صحیح ترجمانی ہیں کہ :

"ڈاکٹر اسرار کے جماعت اسلامی کی تحریک کو ناکام اور مردہ قرار دینے کا اصل سبب یہ ہے کہ اس مقدس نام سے موسوم جماعت نے اپنے نظریات، طریقِ کار اور اصولوں سے انحراف کر کے ان نظریات و اصولوں کو اختیار کر لیا جنہیں اس نے دوسری جماعتوں خصوصاً مسلم لیگ پر تنقید کرتے ہوئے 'خالص غیر اسلامی' قرار دیا تھا —— اب ظاہر ہے کہ اگر ایک جماعت اپنے بالکل ضد اور متقابل کی صورت اختیار کر لے تو اسے اپنے آپ کو اپنے سابقہ نام سے موسوم کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے ......"

اس کے بعد 'زینو' نے راقم کی تالیف "تحریکِ جماعت اسلامی" کے حوالے سے اور اس سے

متعدد مفصّل اقتباسات نقل کرکے ثابت کیا کہ جماعت اسلامی جو اپنے دورِ اوّل (قبل از آزادیٔ ہند) میں ایک خالص اصولی اسلامی جماعت تھی جو بین الاقوامی بلکہ خالص انسانی بنیادوں پر دعوت الی اللہ کا کام کرنے کھڑی ہوئی تھی اور جس نے ہر طرح کی قوم پرستی حتیٰ کہ 'مسلم قومیت' تک کو حرام قرار دیا تھا اور اپنی بنیاد ہی 'حقیقی' اور 'قانونی' اسلام اور 'اصلی' اور 'نسلی' مسلمان کے فرق و امتیاز پر قائم کی تھی۔ اس نے قیام پاکستان کے بعد مسلم قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ لیا اور پاکستانی سیاست کے دریا میں غوطے کھاتے کھاتے رفتہ رفتہ اس کی حیثیت ایک ایسی خالص سیاسی جماعت کی ہوگئی جو حصولِ اقتدار کی کوشش میں ہر اصول کو قربان کرنے پر آمادہ و تیار رہتی ہے ۔

جماعت اسلامی کی اس 'قلبِ ماہیت' کو ثابت کرنے کے بعد 'زیتو' فیصلہ دیتے ہیں :

" نظریات اور طریق کار کی اس 'قلابازی' نے اس اصل تحریک کو ختم کرکے رکھ دیا ہے جسے لے کر جماعتِ اسلامی اٹھی تھی ۔ اس کا خود ان تمام اصولوں کو قبول کرلینا جن کی بنیاد پر اس نے مسلم لیگ کی حصولِ آزادی کی جد وجہد اور تحریکِ پاکستان کو غیر اسلامی قرار دیا تھا اصل جماعت کی خودکشی اور ایک نئی تنظیم کی ولادت کے مترادف ہے، اور اگر کسی جماعت کا اپنے بنیادی اصولوں سے انحراف بھی اس کی 'موت' نہیں تو کوئی ہمیں بتلائے اسے اور کیا کہا جائے ! "

اور آخر میں صادق آباد کے فاضل مکتوب نگار کے 'ادلّہ اربعہ' میں سے پہلی تین کے بارے میں دوبارہ لکھتے ہیں کہ :

" کیا جماعتِ اسلامی کا اصل ہدف اور تحریکِ پاکستان کی جو مخالفت اس نے کی تھی اس کی اصل بنیاد یہی تھی کہ جب اس کی مخالفت کے علی الرغم پاکستان وجود میں آ جائے تو وہاں گنتی کے مدرسے، ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کردی جائیں ؟ رہا یہ مسئلہ کہ جماعت اسلامی کے ان تمام رفاہی کاموں کا اصل مقصد انہی تمام مسلمانوں کی تالیفِ قلب، اور کسی نہ کسی طرح ان سے ووٹ کو حاصل کرنا ہے جسے اس نے اپنی جد وجہد کے ابتدائی ایام میں بس ایک 'نسلی مسلمان' قرار دیا تھا تو اس پر تفصیلی بحث پھر کسی موقع پر ہوگی ——— ! "

ہم نے 'زیتو' کے دو مضامین سے یہ طویل اقتباسات اس لئے درج کئے ہیں کہ ان میں ہمارے نقطۂ نظر کی صحیح ترجمانی ہے ۔ اس لیے ایک تو جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا گیا ان کا شکریہ ہم پر واجب ہے ۔ دوسرے قارئین 'میثاق' کے لیے بھی اس میں ایک 'یاد دہانی' مضمر ہے ! ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را !
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را !

گزشتہ شمارے میں عرض کیا گیا تھا کہ مولانا عبد الغفار حسن سالانہ تعطیلات میں پاکستان تشریف لے آئے ہیں اور "تنظیم اسلامی" کی دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کے بارے میں غور و فکر ہوگا۔ چنانچہ مولانا نے پہلے سکھر، رحیم یار خاں اور لائلپور کا دورہ کیا اور پھر لاہور تشریف لائے جہاں مجلسِ مشاورت کا ایک اجتماع بلایا گیا تھا۔ لیکن افسوس کہ مولانا امین احسن اصلاحی کی کچھ ذاتی مصروفیات اور بعض شدید نوعیت کی پریشانیوں کی بنا پر مجلسِ مشاورت کا اجتماع عین وقت پر ملتوی کرنا پڑا۔ پھر چونکہ مولانا اس سال تنہا اور تھوڑے عرصے کے قیام کے پروگرام کے ساتھ تشریف لائے تھے، لہٰذا ان کی موجودگی میں مجلسِ مشاورت کے انعقاد کا از سرِ نو پروگرام بننا بھی ممکن نہ ہو سکا۔ گویا کہ ان کی اس سال کی آمد سے تنظیمی کام کے ضمن میں کوئی خاص فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔

ویسے مولانا جہاں بھی تشریف لے گئے وہاں کے رفقاء کو انہوں نے اپنے اپنے مقام پر دعوتی تبلیغی، تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کی تاکید بھی کی اور اس کے لیے عملی مشورے بھی دیئے اس لیے کہ اگر کوئی مرکزی قسم کی تنظیم پوری فعالیت کے ساتھ جلد بروئے کار نہ آ سکے تو بھی افراد پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ تو ساقط نہیں ہوتیں۔ مختلف مقامات کے رفقاء جہاں جہاں جو بھی دعوتی یا تعلیمی کام شروع کر چکے ہیں انہیں اپنے طور پر ان میں پوری تندہی اور مستعدی کے ساتھ لگے رہنا چاہیئے اور ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے کہ ان میں روز بروز اضافہ ہو۔

لاہور میں ایک رفیق کے مکان پر شام کے کھانے پر حسب رفقاء جمع ہوئے اور ان سے مولانا نے خطاب فرمایا تو اس میں بھی انہوں نے اسی امر پر زور دیا کہ اگر ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں کہ ایک تنظیم ایسی موجود ہو جو ہمیں کام کرنے پر مسلسل اکساتی رہے تب ہی ہم کچھ کام کریں گے تو یہ درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق کی کمی اور اس کے دین کی خدمت کے جذبے کا فقدان ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ دونوں چیزیں موجود ہوں تو ہر انسان کے اپنے اندر سے جذبہ بیدار ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ تن تنہا بھی برسرِ عمل ہو جاتا ہے اور اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتا کہ دوسرے ساتھی کس حال میں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ مولانا نے ایک بہت سادہ سی مثال سے اپنی بات کو مزید واضح کیا کہ اگر کسی طالب علم میں علم کی صحیح اور

سچی طلب موجود ہے تو محض اس بات سے کہ وہ کسی مدرسے سے کسی وجہ سے نکل گیا یا نکال دیا گیا اس کا یہ جذبہ ہرگز سرد نہیں ہوگا بلکہ وہ کسی اور درس گاہ کا رخ کرے گا۔ اور وہاں اپنی پیاس کو بجھانے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح اگر ہم کسی جماعت سے علیحدہ ہوگئے تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ ہم نے اپنے اس اصل مقصد کو بھی چھوڑ دیا جس کے لیے ہم اس جماعت میں شریک ہوتے تھے یا یہ کہ اب اگر دوبارہ ویسی ہی جماعت قائم نہ ہو تو ہم اپنے اس مقصد کے لیے قطعاً کوئی کام نہ کریں گے۔ ہم میں سے ہر ہر فرد کی اپنے مقصد کے ساتھ سچی لگن کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اس کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرتا رہے ——— پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ کام ہو تو بڑے پیمانے ہی پر ہو ورنہ بالکل نہ ہو۔ ہر شخص کا ایک فطری دائرہ کار ہے جو اس کی ذات سے شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے اپنے گھرانے اور خاندان اور پھر محلے اور بستی تک وسیع ہوتا ہے۔ اس دائرے میں دین کی بیش قیمت خدمت سرانجام دی جا سکتی ہے۔ بلکہ ہمارے نزدیک کام کا اولین دائرہ ہے ہی یہی۔ اور کسی نتیجہ خیز کام کی ابتدا لازماً یہیں سے ہونی چاہیئے ——— پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم سب سے پہلے مسئول بھی اسی کے لیے ہیں، لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کو از سرِ نو کمر ہمت کس کر اپنے کام میں لگ جانا چاہیئے۔ اس پر مزید آپس کے تعاون کی جو صورتیں بھی پیدا کی جا سکیں ان کی حیثیت اضافی ہوگی اور اس سے انشاء اللہ بہت ٹھوس نتائج پیدا ہوں گے۔

"مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوّف کی اشاعت کے اسباب" پر مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا مقالہ اس شمارے میں مکمل ہو گیا ہے۔ چشتی صاحب کے اس مضمون پر ہمیں بلا مبالغہ درجنوں خطوط تعریف وتحسین اور پروفیسر صاحب کو اس کی تحریر اور راقم کو اس کی اشاعت پر مبارکباد کے مضامین پر مشتمل موصول ہوئے ہیں۔ اور تقریباً ہر خط میں یہ بات بھی اصرار کے ساتھ کہی گئی ہے کہ اسے جلد از جلد کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ رحیم یار خاں سے ہمارے ایک علم دوست رفیق نے اس مضمون کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ تقریباً تمام خطوط کی جامع ترجمانی ہے، لہٰذا صرف اسی کی اشاعت پر اکتفا کیا جا رہا ہے:

"تصوّف پر پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا مضمون ایک معرکہ کا مضمون ہے انہوں نے غیر اسلامی تصوّف کے ساتھ ساتھ قرامطہ اور سبائیوں کی تحریف و تدلیس کو جس طرح بے نقاب کیا ہے اس سے بہت سی گرہیں کھل گئی ہیں، اکابرین امّت کی

بعض کتابیں پڑھتے ہوئے یکایک کوئی ایسی چیز سامنے آجاتی تھی جس سے سخت انقباض پیدا ہوتا تھا۔ کبھی اسے بشری غلطی پر محمول کرتا اور کبھی یہ شبہ ہوتا کہ یہ حضرات دین کے معاملہ میں کتاب و سنت کی بیّنات سے شاید آشنا نہیں اور ان کی شہرت کی کچھ اور وجوہ ہیں، مگر پروفیسر صاحب کی تصریحات کے بعد بہت سے گوشے یوں کھل گئے ہیں کہ بعض بزرگانِ دین کے متعلق اپنی کوتاہ فہمی اور کم علمی سے جو غلط باتیں ذہن نشیں ہو رہی تھیں، ان کا تمام تر غبار گردِ دین کر اڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر صاحب کو جزائے خیر دے اور انہیں توفیق ارزانی کرے کہ وہ تصوف کے سوا ـــ تاریخ، تفسیر، فقہ اور احادیث کے باب میں بھی دشمنانِ دین کی ریشہ دوانیوں کی تحقیق کر کے امّت کے سامنے پیش کریں اور میرے جیسے بے توفیق لوگوں کے لیے ایسا تحقیقی مواد مہیا کر دیں کہ جس سے ہمارے سلف کے عظیم کارناموں پر پڑا ہوا گرد و غبار دھل جائے اور حقایق نکھر کر سامنے آجائیں۔"

واضح رہے کہ پروفیسر صاحب کا یہ مضمون ان کی ایک زیرِ تالیف کتاب "تاریخ تصوّف" کا ایک باب ہے۔ یہ کتاب مکمل ہو کر جب سامنے آئے گی تو ان شاء اللہ یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکے گی کہ اپنے موضوع پر یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے، اس میں ایک تو پوری دنیا کی تاریخ میں جب اور جہاں بھی صوفیانہ خیالات کا اظہار ہوا ہے ان سب کا کامل احاطہ کیا گیا ہے اور پھر خاص طور پر اسلامی تصوف کی تاریخ جس تحقیق و تدقیق کے ساتھ مرتب کی گئی ہے وہ یقیناً پروفیسر صاحب کی ایک نہایت اہم علمی و دینی خدمت ہے۔

پروفیسر صاحب کی تحقیق کے مطابق تاریخ اسلامی میں تصوّف پر سب سے پہلی مطبوعہ تصنیف حضرت حارث محاسبیؒ متوفی ۲۴۳ھ کی کتاب الرعایہ ہے۔ اس سے پہلے اس فن پر نہ کوئی باقاعدہ تصنیف تھی نہ ہی تصوّف کی اصطلاحات کا رواج تھا۔ البتہ تابعین، تبع تابعین اور تبع تبع تابعین میں ایسے صوفی مزاج بزرگوں کی ایک معتدبہ تعداد بھی جو زاہد کہلاتے تھے۔ چنانچہ اوّلاً پروفیسر صاحب نے ایسے بزرگوں کا مختصر تذکرہ تحریر کیا ہے اور پھر کتاب الرعایہ سے شروع کر کے اسلامی تصوّف کی تمام امہات کتب کا تحقیقی جائزہ بھی لیا ہے اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ بھی مرتب کیا ہے۔ آئندہ شمارے سے ان شاء اللہ العزیز اس گرانقدر علمی سرمائے کی قسط وار اشاعت شروع کر دی جائے گی۔

ہمارے کچھ بزرگ یہ فرمائش بھی کرتے رہتے ہیں کہ 'میثاق' کے ذریعے 'عقل'

کو اپیل کرنے والے مواد کے ساتھ ساتھ کچھ مواد ایسا بھی مہیّا کیا جائے جو 'قلب' اور 'روح' کے تغذیہ وتقویت کا سامان بن سکے ——— ان حضرات کی فرمائش کے پورا ہونے کی ایک صورت تو یہی ہو جائے گی جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا یعنی تصوف کی امہات کتب کی تلخیص کی اشاعت ——— اس کے علاوہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف 'الفوائد' اور حضرت شیخ احمدؒ سرہندی کے مکاتیب میں سے منتخب چیزیں گاہے گاہے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ انشاء اللہ اگلے ہی شمارے سے یہ سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔

گزشتہ شمارے میں مجلّہ "ISLAMIC EDUCATION" پر جو تبصرہ شائع ہوا تھا اس میں غلطی سے پتہ درج ہونے سے رہ گیا۔ چنانچہ متعدد اصحاب کی جانب سے بذریعہ خط دریافت کیا گیا کہ اس کے حلقۂ معاونین کا سالانہ چندہ کس پتے پہ ارسال کیا جائے۔ لہٰذا ذیل میں پتہ درج کیا جا رہا ہے:

" آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس
۴ - طارق اسٹریٹ - پونچھ روڈ - لاہور

جولائی میں ایک تو راقم الحروف کو کچھ سفر پیش آ گئے اور دوسرے 'میثاق' کے منیجر صاحب بھی علیل رہے۔ لہٰذا اگست کا شمارہ شائع نہ ہو سکا۔ اس کمی کی تلافی کی یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ اس سال کے اختتام تک جو چار شمارے (بشمول ہذا) شائع ہوں گے ان کی ضخامت بجائے چونسٹھ کے اسّی صفحات ہو گی۔ اس طرح ایک پرچے کی ضخامت پوری ہو جائے گی اور سالانہ خریدار کسی گھاٹے میں نہ رہیں گے۔

ایک مخیّر صاحب نے یہ پیشکش کی ہے کہ ان کی جانب سے 'میثاق' کچھ دینی اداروں خصوصاً مدرسوں اور دارالمطالعوں اور کچھ ایسے افراد کو بھی جو اس کے قدردان ہوں لیکن اس کو خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں جاری کر دیا جائے۔ جو حضرات یا ادارے ان صاحب کی اس پیشکش سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں، وہ ہمیں تفصیلی کوائف کے ساتھ لکھیں۔

محمد فیاض عادل
بی ایس سی سٹوڈنٹ۔ گورنمنٹ کالج
جھنگ

تعارف

حلقۂ مطالعۂ قرآن جھنگ

"حلقۂ مطالعۂ قرآن جھنگ" ۔ جھنگ کے چند نوجوان طالب علموں کی اس گہری امنگ اور دلی آرزو کا مظہر ہے جو وہ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" کے لیے اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ اس حلقے کا قیام کسی فوری وجذباتی تحریک کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے غور و فکر اور تحقیق و جستجو کی ایک مختصر تاریخ بھی ہے۔

پس منظر موجودہ بے خدا نظام تعلیم کے تحت تحصیل علم کرنے والے بہت سے دوسرے طلبہ کی طرح جھنگ کے یہ نوجوان طلبہ بھی اسلام کی خدمت کی شدید تڑپ رکھتے تھے اور دین کو سربلند کرنے کی عملی جدّوجہد کے لیے کسی پلیٹ فارم کے متلاشی تھے۔ چنانچہ جب طلبہ کی ایک تنظیم کی جانب سے احیاءِ اسلام کی عملی جدّوجہد کی دعوت ان کے کانوں میں پڑی تو اگرچہ انہیں دوسرے بہت سے شبہات کے ساتھ ساتھ اس تنظیم کے بارے میں یہ شبہ بھی تھا کہ یہ دین کے نام پر طلبِ اقتدار کا کھیل کھیلنے والی ایک سیاسی جماعت کی آلۂ کار ہے تاہم کچھ اس تنظیم کے ذمہ داروں کی یقین دہانی اور زیادہ تر اپنے جذبۂ تعاون علی البرّ کے ہاتھوں مجبور ہو کر جھنگ کے یہ نوجوان طلبہ اس تنظیم سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان ہی میں سے ایک طالب علم کو مقامی تنظیم کا ناظم بنا دیا گیا۔ لیکن اس قرب نے جلد ہی ان یقین دہانیوں کی حقیقت کھول دی اور ان طلبہ نے مجبوراً اس تنظیم سے علیحدہ ہو کر اپنی ایک علیحدہ تنظیم "تنظیم فلاح طلبہ پاکستان" کے نام سے قائم کر لی، جس کا منشور بھی شائع کر دیا گیا۔ اس تنظیم کے پیش نظر پاکستان کے نوجوان طلبہ کی وسیع تر بنیادوں پر صحیح دینی تعمیر و تربیت کے ساتھ ساتھ ابطالِ باطل کے لیے طلبہ کی اس تنظیم کی حقیقت سے طلبہ کو واقف کرانا بھی تھا۔

اسی مؤخرالذکر مقصد کے پیش نظر ماہنامہ "میثاق" لاہور کے سرپرست مولانا امین احسن اصلاحی اور مدیر ڈاکٹر اسرار احمد سے رابطہ قائم کیا گیا۔ اور پھر مفصل گفتگو کے لیے لاہور کا سفر اختیار کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ پختہ "عہد و میثاق" لینے کے بعد کہ ہم صرف دین کی خدمت اور خاص طور پر خود علم دین کے حصول کی کوشش میں اپنی تمام تر صلاحیتوں اور اوقات کو صرف کریں گے اور محض کسی کی مخالفت میں اپنی توانائیاں ضائع نہیں کریں گے ہمیں اپنے تعاون کا پورا یقین دلایا۔ اور طلبہ کی ایک آل پاکستان تنظیم قائم کرنے کے بکھیڑوں میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے فہم و تدبر قرآن کا ایک حلقہ قائم کرنے کی تلقین کی۔ ساتھ ہی انہوں نے ہمیں "تنظیم اسلامی" سے متعارف کرایا جس کی اساسی قرارداد اور اسکی تشریح ہمیں اپنے دلوں کی آواز معلوم ہوئی۔

ابتدائے کار

اوائل فروری ۱۹۶۸ء میں ہماری دعوت پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جھنگ تشریف لائے۔ اور انہوں نے ایک تو حلقہ مطالعہ قرآن جھنگ کا افتتاح کیا۔ اور شہر کی دو اہم مساجد میں درس قرآن دیا۔ دوسرے گورنمنٹ کالج جھنگ کی مجلس معارف اسلامیہ کے افتتاحی اجلاس میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے موضوع پر تقریر کی۔

نتیجتہً ہم نے طے کیا کہ خود دوسری تمام چیزوں سے صرف نظر کر کے صرف مطالعۂ قرآن اور تحصیل عربی پر اپنی تمام سعی کو مرکوز کر دیں اور ملک کی تمام مخلص دینی جماعتوں اور اداروں کے ساتھ تعاون کا رویہ اختیار کریں۔

موجودہ سرگرمیاں

۱۔ حلقہ مطالعہ قرآن کا اجلاس معمولاً تو ہفتہ وار رکھا گیا ہے لیکن تعطیلات کے دوران چونکہ ایک طالبعلم جو لاہور کے حلقہ مطالعہ قرآن سمن آباد سے منسلک رہے ہیں اور قرآن سے اچھا ذہنی ربط اور اس کے بیان و تفہیم پر خاصی قدرت رکھتے ہیں جھنگ آئے ہوئے ہیں لہٰذا تعطیلات میں حلقے کے ہر ہفتے میں دو اجتماعات ہو رہے ہیں۔

۲۔ روزانہ عربی کلاسز کا اجراء عمل میں آ چکا ہے۔ اگرچہ ابھی اس میں باقاعدگی کے ساتھ شرکت کرنے والوں کی تعداد کم ہے۔

۳۔ ایک اسلامی دارالمطالعہ قائم کر دیا گیا ہے۔

۴۔ ایک اشاعتی سلسلہ "اشاعت القرآن" کے نام سے شروع کیا گیا ہے جس کا ایک شمارہ شائع ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نیک ارادوں میں ثبات اور عمل میں استقلال عطا فرمائے اور ہمیں حق کو سمجھنے، ماننے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور دور جدید کے گمراہ کن نظریات و افکار سے بچا کر ہمیں وحی الٰہی کی ہدایت تامہ سے

ہم سے طلب فرمائیے

تصانیف مولانا فراہی

تفاسیر

دلائل النظام (عربی) سائز ۲۰×۲۶ صفحات ۱۳۲
کاغذ عمدہ سفید۔ قیمت ۲٫۵۰ روپے

مقدمہ تفسیر نظام القرآن (اردو ترجمہ) قیمت ۰٫۹۰ پیسے

تفسیر بسم اللہ و سورہ فاتحہ	۰٫۴۵ "
" قیامہ	۰٫۶۰ "
" والشمس	۰٫۵۰ "
" فیل	۱٫۰۰ "
" زاریات	۱٫۳۰ "
" مرسلات	۰٫۶۰ "
" والتین	۰٫۷۰ "
" کوثر	۱٫۱۰ "
" لہب	۰٫۷۰ "
" تحریم	۰٫۷۰ "
" عبس	۰٫۷۰ "
" والعصر	۰٫۶۰ "
" کافرون	۰٫۴۵ "
" اخلاص	۰٫۴۵ "
اقسام القرآن	۱٫۳۰ "
ذبیح کون ہے؟	۱٫۷۰

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

● دعوت دین اور اسکا طریق کار
صفحات: ۳۱۲، قیمت: ۳/۰۵

● تزکیۂ نفس
صفحات: ۳۴۴
قیمت: ۶/- روپے

● اسلامی قانون کی تدوین
صفحات: ۱۶۰، قیمت: ۳/- روپے
سستا ایڈیشن: ۲/- روپے

● عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ
صفحات ۱۲۸، قیمت ۲/۲۵ روپے

● تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ
بڑا سائز
صفحات: ۳۲
قیمت: ۷۵ پیسے

دار الاشاعت الاسلامیہ - کرشن نگر لاہور ۱۲

تدبر قرآن
مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ مائدہ

۵

۱۴- آگے کا مضمون آیات ۳۵-۴۰

آگے کا مضمون آیات ۳۵-۴۰

آگے مسلمانوں کو پہلے اللہ کے حدود و قیود کی پابندی کرتے رہنے، اللہ ہی کا تقرب ڈھونڈنے اور اس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہنے کی تاکید فرمائی کہ در اصل یہی چیزیں ہیں جو خدا کے ہاں کام آنے والی اور آخرت کی پکڑ سے بچانے والی ہیں۔ جو لوگ ان چیزوں سے محروم ہوں گے ان کو دوسری کوئی چیز بھی دوزخ کے عذاب سے نہ بچا سکے گی۔

اس کے بعد چوری کی سزا کا قانون اور اس کی حکمت بیان فرمائی اور اس کے ساتھ یہ تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ خدا کے قانون سے گریز اختیار کرنے یا اپنی در اندازیوں، سفارشوں، رشوتوں اور کوششوں سے اس کو بے اثر بنانے کی کوشش کریں گے وہ اس بات کو یاد رکھیں کہ اس قسم کی تدبیریں کچھ کارگر ہو سکیں گی تو بس اسی دنیا کی زندگی میں کارگر ہو سکیں گی، آخرت میں تمام جزا و سزا صرف خدا ہی کے اختیار میں ہوگی، وہاں کسی کا نہ زور و اثر کچھ کام کر سکے گا، نہ کسی کی سعی و سفارش کچھ کام آ سکے گی۔ آیات کی تلاوت فرمائیے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا
فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٣٥ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ
مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝٣٦ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ
النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ۝٣٧

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢبِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ
اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ
اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ
يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰

ترجمہ

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور اُسی کے تقرب کے طالب بنو اور اس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اگر انہیں وہ سب کچھ حاصل ہو جائے جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ سکیں تو بھی ان کا یہ فدیہ قبول نہ ہوگا، ان کے لیے بس ایک دردناک عذاب ہی ہے۔ وہ زور لگائیں گے کہ آگ سے نکل بھاگیں لیکن اس سے کبھی نکل نہ پائیں گے، ان کے لیے ایک دائمی عذاب ہوگا۔ ۳۵ - ۳۷

اور چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کے کئے کی پاداش اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا کے طور پر، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ پس جس نے اپنے اس ظلم کے بعد توبہ اور اصلاح کر لی تو اللہ اس پر عنایت کی نظر فرمائے گا۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، وہی جس کو چاہے گا سزا دے گا، اور جس کو چاہے گا بخشے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۳۸-۴۰)

الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا
فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۳۵

'تقویٰ' کا مفہوم ہم مختلف مقامات میں ظاہر کر چکے ہیں کہ خدا کے حدود و احکام کی پوری مستعدی کے ساتھ نگہداشت اور ان کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

'وابتغوا الیہ الوسیلہ' 'وسیلہ' کے معنی قربت کے ہیں اور 'الیہ' کی تقدیم سے حصر کا مضمون پیدا ہو گیا ہے، یعنی خدا ہی کا قرب اور اسی کا تقرب ڈھونڈو جس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا کے احکام و حدود کی پوری پوری پابندی کرو اور ان کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے رہو

وسیلہ کا مفہوم

خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ اور وسیلہ، جیسا کہ آیت واعتصموا بحبل اللہ الایہ کے تحت ہم واضح کر چکے ہیں، کتاب اللہ اور شریعت ہی ہے۔ اس وجہ سے کتاب اللہ اور شریعت کو مضبوطی سے تھامنا ہی خدا سے قربت کا واسطہ ہے۔ گویا آیت میں تنبیہ ہے کہ جن لوگوں نے خدا اور اس کی شریعت سے بے پروا ہو کر دوسروں کا تقرب ڈھونڈا ہے اور ان کو اپنی نجات و فلاح کا ضامن سمجھ بیٹھے ہیں وہ بڑی غلط امیدوں اور بڑے ہی غلط سہاروں پر جی رہے ہیں، فوز و فلاح کی راہ یہ ہے کہ خدا ہی سے ڈرو اور اسی کا قرب ڈھونڈو۔ قرآن میں دوسری جگہ اس بات کی بھی تصریح ہے کہ فرشتے جن کو نادانوں نے خدا کی قربت کا ذریعہ سمجھ کر معبود بنایا وہ خود ہر لمحہ خدا کے قرب کے لیے ساعی و سرگرم اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اولٰئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ، ان عذاب ربک کان محذورا ۵۷۔ اسرا (یہ لوگ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں خود اپنے رب کے قرب کے حصول کے لیے ساعی رہتے ہیں کہ کون زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے اور اس کی رحمت کی امید کرتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔)

'وجاھدوا فی سبیلہ'۔ لفظ 'جہاد' یہاں وسیع معنوں میں ہے۔ اس سے مراد ہر وہ سعی و سرگرمی اور ہر وہ محنت و کوشش ہے جو خدا کے احکام کی پابندی، اس کے دین کے قیام اور اس کی رضا طلبی کی راہ میں کی جائے۔ عام اس سے کہ وہ تلوار کے ذریعے سے ہو یا اپنی دوسری قوتوں، صلاحیتوں اور دوسرے اسباب و وسائل سے۔ یہ گویا 'وابتغوا الیہ الوسیلہ' کا عملی ثبوت ہے۔ یعنی خدا سے قربت کا طالب اس کی راہ میں ہر لمحہ سرگرم کار رہتا ہے۔

نظم کے پہلو سے یہ اُوپر کے تعزیری احکام اور آگے چوری کی سزا کے حکم کے بیچ میں مسلمانوں کو تنبیہ و تذکیر ہے کہ خدا کے احکام و حدود کی پابندی کے معاملے میں دوسری امتوں کی طرح تم ڈھیلے نہ پڑنا۔ خدا سے تعلق اس کی شریعت ہی کے واسطہ سے قائم ہوتا ہے۔ اس کے سوا فلاح کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ اگر خدا کی شریعت کو چھوڑ کر تم یہود و نصاریٰ کی طرح دوسرے سہاروں پر اعتماد کر بیٹھے تو یہ سہارے نافع ہونے کے بجائے صرف موجب وبال ہوں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (۳۶-۳۷)

[illegible]

'اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا' - سیاق و سباق دلیل ہے کہ یہاں 'ان الذین کفروا' سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے فلاح کی اس راہ سے الگ راہ اختیار کی جو اوپر والی آیت میں بیان ہوئی ہے۔ یعنی انہوں نے خدا ہی سے ڈرنے، خدا ہی کا قرب تلاش کرنے اور اسی کی راہ میں سرگرم رہنے کے بجائے بے بنیاد سہاروں اور خیالی سفارشوں کے اعتماد پر زندگی گزاری اور یہ توقع کیے بیٹھے رہے کہ آخرت کی تمام کامرانیاں انہی کا حصّہ ہیں۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ زمین کے تمام خزانے اور اس کے ساتھ انہی کے برابر مزید خزانوں کے مالک بن جائیں اور ان سب کو عذاب آخرت سے چھوٹنے کے لیے فدیہ میں دیں جب بھی ان کا فدیہ قبول نہیں ہوگا۔ وہ دوزخ سے نکلنے کے لیے کتنا ہی ہاتھ پاؤں ماریں گے لیکن وہ اس سے نکل نہیں پائیں گے، ان کے لیے ابدی اور دائمی عذاب ہوگا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳۸-۳۹)

'والسارق والسارقۃ' کا عطف اوپر محاربین کا جو ذکر ہوا ہے اس پر ہے۔ بیچ میں جو دو آیتیں آگئی ہیں یہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، تعزیرات و حدود کے بیان کے سلسلے میں محض بطور تنبیہ و تذکیر ہیں۔

چوری کی سزا

سارق اور سارقہ چونکہ صفت کے صیغے ہیں اس وجہ سے ان سے اشارہ نکلتا ہے کہ ارتکاب فعل کی نوعیت ایسی ہو کہ اس کے ارتکاب پر چوری اور اس کے مرتکب پر چور کا اطلاق ہو سکے۔ اگر کوئی نا تربیت یافتہ شخص راہ چلتے کسی کے درخت سے چند پھل توڑ لیتا ہے یا کسی کے کھیت سے کچھ سبزیاں لے لیتا ہے یا کسی کی ٹال سے چند لکڑیاں اٹھا لیتا ہے، یا کسی کے باورچی خانے سے کوئی کھانے پینے کی چیز لے لیتا ہے تو گو یہ افعال ناشائستہ ہیں اور ان پر وہ تنبیہ و تادیب کا بھی سزاوار ہے لیکن یہ وہ چوری نہیں ہے جس پر اس کو قطع ید کی سزا دی جائے۔ اسی وجہ سے ہمارے فقہا نے اس جرم کے تعیّن اور اس کی سزا کے نفاذ پر چند شرطیں عائد کی ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ہمارے لیے یہاں ان تفصیلات میں جانے کی گنجائش تو نہیں ہے تاہم چند باتوں کی طرف ہم اشارہ کریں گے تاکہ مسئلے کی نوعیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

[illegible]

فقہا نے چوری پر قطع ید کی سزا نافذ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل قیدیں عائد کی ہیں۔

۱۔ چوری کسی قدر و قیمت رکھنے والی چیز کی کی گئی ہو، بے قیمت یا کسی چھوٹی موٹی چیز کی چوری پر ہاتھ

کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو معمولی چیزوں کی چوری پر یہ سزا نہیں دی گئی۔ قدر قیمت کے اندازے کے باب میں فقہا کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایک دینار سے کم قیمت کی چیز پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔

۲۔ چوری محفوظ کئے ہوئے مال کی کی گئی ہو۔ اگر کسی نے اپنا مال یوں ہی کہیں ڈال دیا، یا اپنے مویشی یوں ہی جنگل میں آوارہ چھوڑ دیئے تو انکی چوری اس قانون کے تحت نہیں آئے گی۔

۳۔ جس مال میں چوری کرنے والے کا اشتراک ہو یا وہ مال اس کی حفاظت یا امانت میں ہو اس کی چوری بھی اس قانون کے دائرہ سے باہر ہے۔

۴۔ مجنون اور نابالغ کی چوری پر بھی اس قانون کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۵۔ کسی کے بیوی بچے اور اس کے گھریلو ملازم اگر اس کے مال میں سے کچھ چوری کرلیں تو یہ چیز بھی اس قانون کے دائرے سے الگ ہے۔

۶۔ اضطرار کا شائبہ ہو جب بھی یہ سزا نافذ نہیں کی جائے گی۔ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے عام الرمادہ کے قحط کے موقع پر قطع ید کی سزا روک دی تھی۔

۷۔ اس سزا کے نفاذ کے لیے دارالاسلام ہونا بھی شرط ہے۔ حدود و تعزیرات کا تعلق اوّل تو با اختیار حکومت سے ہے۔ ثانیاً ان کا تعلق دارالکفر یا دارالحرب سے نہیں بلکہ دارالاسلام سے ہے اس لیے کہ یہ احکام وحدود ایک مجموعی نظام کا جزو ہیں، اس نظام سے الگ کرکے ان کو نافذ کرنا ایسا ہی ہے جیسے گول خانے میں ایک چوکھٹی چیز۔ ان احکام کا زمانۂ نزول خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے نفاذ کے لیے دارالاسلام شرط ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے یہ احکام نازل ہی اس وقت فرمائے جب دارالاسلام عملاً قائم ہو چکا۔

تعلیل قطع ید

'فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ' :- میں قطع ید کے دو سبب بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مجرم کے جرم کی سزا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ 'نکال' ہے۔ 'نکال' کے معنی کسی کو ایسی سزا دینے کے ہیں جس سے دوسرے عبرت پکڑیں۔ ان دونوں کے درمیان حرف عطف کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں باتیں اس سزا میں بیک وقت مطلوب ہیں۔ یعنی یہ پاداش عمل بھی ہے اور دوسروں کے لیے سامان عبرت بھی۔ جو لوگ اس کے ان دونوں ہی پہلوؤں پر بیک وقت نظر نہیں ڈالتے وہ بسا اوقات اس خلجان میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جرم کے اعتبار سے سزا زیادہ سخت ہے۔ حالانکہ اس

سزا میں متعین اس جرم ہی کی سزا نہیں ہے جو مجرم سے واقع ہوا بلکہ ان بہت سے جرائم کی روک تھام بھی اس میں شامل ہے جن کا وہ اپنے فعل سے محرک بن سکتا ہے اگر اس کو ایسی سزا نہ دی جائے جو دوسروں کے حوصلے پست کر دے۔ جنس کی طرح مال کی بھوک بھی انسان کے اندر بڑی ہی شدید ہے۔ اگر اس حرص کو ذرا ڈھیل مل جائے تو پھر اس کے نتائج کیا کچھ نکل سکتے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لیے موجودہ زمانہ کے حالات میں کافی سامانِ بصیرت موجود ہے بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھیں موجود ہوں۔ اس زمانے کے کسی متمدن سے متمدن ملک کے صرف ایک سال کے وہ ہولناک جرائم جمع کر لیے جائیں جو محض چوری کی وجہ سے پیش آئے تو وہ آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں لیکن تہذیبِ جدید کے مارے ہوئے انسان کی پیشانی یہ سن کر تو عرق آلود ہو جاتی ہے کہ چوری پر کسی کا ہاتھ کٹ جائے لیکن ان ہزاروں دل ہلا دینے والے واقعات سے اس کا دل نہیں پسیجتا جو بالواسطہ یا بلا واسطہ چوری کی راہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ چوری کوئی مفرد جرم نہیں ہے بلکہ یہ مجموعہ جرائم ہے جس سے طرح طرح کے ہولناک جرائم ظہور میں آتے ہیں۔ اگر چوری کی راہ مسدود ہو جائے تو یہ یا تو بالکل ہی ناپید ہو جائیں گے یا کم از کم یہ کہ انتہائی حد تک کم ہو جائیں گے۔ چنانچہ تجربہ گواہ ہے کہ چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا سے نہ صرف چوری کے واقعات انتہائی حد تک کم ہو گئے بلکہ دوسرے جرائم میں بھی انتہائی کمی ہو گئی۔ پھر اگر چند ہاتھ کٹ جانے سے ہزاروں سر، ہزاروں گھر، ہزاروں آبروئیں محفوظ ہو جائیں اور ظلم و وحشت اور حرث و نسل کی بربادی کے بہت سے ابواب کا خاتمہ ہو جائے تو عقل سلیم تو یہی کہتی ہے کہ یہ مہنگا سودا نہیں ہے بلکہ نہایت بابرکت سودا ہے۔ لیکن موجودہ زمانے کے دانش فروشوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔

'واللہ عزیز حکیم' یہ اس قانونِ الٰہی کی قوت اور حکمت دونوں ہی پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام قوانین و احکام اس کی صفات کا عکس ہیں۔ وہ عزیز اور غالب ہے اس وجہ سے اس کو حق ہے کہ وہ جو چاہے حکم دے اور حکیم ہے اس وجہ سے اس کا ہر حکم حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اس کے بندوں کے لیے نہ تو اس کے حکم سے سرتابی جائز ہے اور نہ ان کے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ اس کے کسی حکم کو خلافِ حکمت و مصلحت قرار دیں۔

'فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح (الا یہ)' من بعد ظلمہ' میں لفظ 'ظلم' اپنے فاعل کی طرف بھی مضاف ہو سکتا ہے اور اپنے مفعول کی طرف بھی۔ مفعول کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں اس کے معنی ہوں گے 'اپنی جان پر ظلم ڈھانے کے بعد' اور فاعل کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں اس کے معنی ہوں گے 'اپنے اس ظلم کے بعد جس کا اس نے ارتکاب کیا' اگرچہ قرآن میں

نظاہر پہلے مفہوم کے لیے بھی موجود ہیں اور یہ امر ایک حقیقت بھی ہے کہ کسی انسان کا، جب کہ وہ مسلمان بھی ہو، چوری جیسے ذلیل جرم کا مرتکب ہونا خود اپنے نفس پر بہت بڑا ظلم ہے، اس فعل کے ارتکاب سے جتنی حق تلفی وہ دوسروں کی کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ خود اپنے نفس کی کرتا ہے، لیکن میں دوسرے معنی کو ترجیح دیتا ہوں اس لیے کہ اس میں وہ ظلم بھی آجاتا ہے جو ایک چوری کرنے والا اپنے نفس پر کرتا ہے اور وہ ظلم بھی آجاتا ہے جو وہ اس پر کرتا ہے جس کا مال چرا تا ہے۔

توبہ کے ساتھ اصلاح کی شرط

توبہ کے ساتھ اصلاح کا ذکر درحقیقت توبہ کی ایک لازمی شرط کی حیثیت سے ہے۔ بندہ جب کوئی اس طرح کا جرم کرتا ہے تو ایک تو وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے، دوسرے وہ اپنے نفس کی یا دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔ خدا سے معاملہ درست کرنے کے لیے تاحدِ امکان اپنے رویہ کی اصلاح اور اپنے ظلم کی تلافی ناگزیر ہے۔ بغیر اس دو طرفہ عمل کے توبہ بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ توبہ اور اصلاح سے بندے کا آخرت کا معاملہ صاف ہو جاتا ہے لیکن قانون کی گرفت میں آچکنے کے بعد توبہ کے سبب سے شریعت کی کوئی حد ساقط نہیں ہو سکتی۔ وہ بہرحال نافذ ہو گی۔

الم تعلم ان اللہ لہ ملک السمٰوات والارض، یعذب من یشاء و یغفر لمن یشاء واللہ علیٰ کل شیء قدیر۔ ۴۰۔

[illegible]

'الم تعلم' کا خطاب عام ہے۔ یہ عام خطاب کے ساتھ تنبیہ ہے کہ آسمان و زمین میں سارا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہی جس کو چاہے سزا دے گا، جس کو چاہے بخشے گا، کسی دوسرے کے لیے اس میں کسی چون و چرا اور کسی مداخلت کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ اس وجہ سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے قانون کے تابع اور اس کے حوالے کرے۔ نہ کوئی اس سے بھاگنے کی کوشش کرے، نہ کوئی اس سے دوسروں کو بچانے کی تدبیریں سوچے اور نہ کسی کے زور و اثر اور کسی کی سعی و سفارش پہ بھروسہ کر کے خدا اور اس کی شریعت سے بے پروا ہو ——— یہ تنبیہ اس وجہ سے ضروری تھی کہ درحقیقت یہ سارے احکام جو قتل، قصاص، رہزنی اور چوری وغیرہ سے متعلق اس سورہ میں بیان ہو رہے ہیں، یہ سب دوسری امتوں کے لیے مزلۂ قدم ثابت ہوئے، انہوں نے ان سے بچنے کے لیے بہت سے چور دروازے نکال لیے، یہاں تک کہ یہ تمام قوانین بالکل بے اثر ہو کر رہ گئے۔ اگر اس کی علت کا سراغ لگایا جائے تو یہ بات صاف نظر آئیگی کہ ان قوموں نے توحید کی وہ حقیقت مستحضر نہیں رکھی جس کی اس آیت میں یاد دہانی کی گئی ہے۔

۱۶- آگے کا مضمون، آیات ۴۱ - ۵۰

آگے چند آیات میں پہلے منافقین اور یہود کی اس ملی تحکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو انہوں نے شرعی احکام و قوانین، بالخصوص تعزیرات و حدود کی گرفت سے بچنے اور ایک دوسرے کو ان سے بچانے کے لیے باہم کر رکھی تھی۔ ان آیات کے زمانۂ نزول تک مدینہ اور اس کے اطراف میں اگرچہ اسلام کو سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا تھا لیکن ابھی یہ اقتدار مکمل نہیں تھا، آس پاس یہود کی جو بستیاں تھیں وہ اپنے حدود میں قبائلی نوعیت کا اقتدار رکھتی تھیں اور ان کے حکام ان لوگوں کے معاملات و نزاعات کا فیصلہ کرتے تھے جو ان کے دائرۂ اثر میں تھے یا ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ لیکن یہ عدالتیں قیام عدل و انصاف کے نقطۂ نظر سے بالکل بے جان اور بے مصرف ہو چکی تھیں۔ اوّل تو یہود نے خود قانون ہی کو اپنے اغراض کے تحت مسخ کر کے بالکل بے اثر کر دیا تھا، دوسرے جھوٹ اور رشوت کا ان کے ہاں اتنا زور تھا کہ کسی معاملے میں نہ گواہوں کی گواہی کا کوئی وزن باقی رہ گیا تھا نہ عدالتوں کے انصاف کا۔ بڑی آسانی سے گواہوں اور حکام دونوں کو رشوت کے ذریعے سے خریدا اور ان کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اقتدار کی یہ دوعملی اور یہودی عدالتوں کی یہ انصاف فروشی، ان لوگوں کے لیے ایک چور دروازہ فراہم کرتی تھی جو قانون کے تقاضوں سے فرار اختیار کرنا چاہتے۔ چنانچہ منافقین اور یہود اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ شرارت کرتے کہ جن معاملات میں ان کو توقع ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے فیصلہ ان کے حسب منشا ہو جائیگا ان کے لیے آنحضرت صلعم سے رجوع کرتے لیکن جن میں اپنے حسب منشا فیصلہ ہونے کی توقع نہ ہوتی ان کے لیے یہودی عدالتوں کی طرف رجوع کرتے تاکہ جھوٹے گواہوں اور رشوت کے ذریعے سے اپنے حسب منشا فیصلے حاصل کر سکیں۔ قرآن نے ان کی اس بدبختانہ روش پر افسوس کیا ہے اور آنحضرت صلعم کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر اس قسم کے اشرار اپنے معاملات آپ کی عدالت میں لائیں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ ان کے مقدمے لیں یا نہ لیں۔ البتہ اگر لیں تو فیصلہ اسی قانون عدل کے مطابق کریں جو اللہ نے اتارا ہے۔

اس کے بعد یہود کی حالت پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ وہ یہ جانتے ہوئے کہ فلاں معاملے میں تورات کا حکم کیا ہے تمہیں حکم بناتے ہیں پھر تم جو فیصلہ کرتے ہو اس سے مکر جاتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا ایمان کسی چیز پر بھی نہیں ہے، وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد پہلے تورات و انجیل کا حوالہ دیا ہے کہ اللہ نے یہ صحیفے ہدایت اور روشنی بنا کر اتارے، ان کے ذریعے سے لوگوں کو اپنے احکام و قوانین سے آگاہ کیا، ان کے حاملوں کو ان کا گواہ اور امین بنایا اور ساتھ

ہی انہیں اس امر سے آگاہ فرمایا کہ جو لوگ معاملات کے فیصلے ان کتابوں کے احکام کے خلاف کریں گے وہ کافر اور ظالم اور فاسق ٹھہریں گے۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے ان کتابوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور اپنی خواہشات و بدعات کے پیرو بن گئے۔ پھر قرآن کا ذکر فرمایا کہ اب اللہ نے یہ کتاب اتاری ہے جو تمام اختلافات کے درمیان قول فیصل اور سابق صحیفوں کے لیے معیار اور کسوٹی کی حیثیت رکھتی ہے تو اب تم ہر معاملے کا فیصلہ اس کی روشنی میں کرو اور یہود و نصاریٰ کی بدعات کی پروا نہ کرو۔ یہ یہود و نصاریٰ حق کے طالب نہیں ہیں اس وجہ سے یہ اسی لکیر کو پیٹتے رہیں گے جس کو پیٹتے رہے ہیں۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ حق کی راہ حق کے طالبوں کو ملتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی راہ پر کر دیتا لیکن اس نے لوگوں کو اختیار کی نعمت بخشی کہ ان کا امتحان کرے کہ کون حق کی راہ اختیار کرتا ہے: کون باطل کی۔ تو ان کے پیچھے اپنی راہ کھوٹی کرنے کے بجائے تم فلاح و سعادت کی راہ میں سبقت کرو۔ کل سب کا معاملہ خدا کی عدالت میں پیش ہوگا۔ اور وہاں سارے اختلاف کا فیصلہ ہو جائے گا۔

آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید تاکید فرمائی کہ خواہ یہود و نصاریٰ کتنا ہی زور صرف کریں لیکن تم کسی حال میں بھی کتاب الٰہی کے بالمقابل ان کی بدعات و خواہشات کی پروا نہ کرنا۔ اگر وہ کتاب الٰہی سے انحراف کی اسی روش پر اڑے رہے تو سمجھ لو کہ اب وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بعض شرارتوں کی سزا ان کو اسی دنیا میں دے —— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ
الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ
الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ
وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ
لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٤١ سَمّٰعُوْنَ
لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ
عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٤٢ وَكَيْفَ

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا
هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ
هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا
عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ
بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ
تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ
مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ
عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝
اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ: اے پیغمبر، ان لوگوں کی روش تمہیں غم میں نہ ڈالے جو کفر کی راہ میں سبقت کر رہے ہیں اُن

لوگوں میں سے جو زبان سے تو دعوے کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ ان کے دلوں نے ایمان قبول نہیں کیا ہے اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے یہودیت اختیار کی ہے۔ یہ جھوٹ کے رسیا اور دوسروں کی باتیں ماننے والے ہیں، جو خود تمہارے پاس نہیں آتے۔ وہ کلام کو اس کا موقع و محل معین ہوجانے کے باوجود اس کے محل سے ہٹا دیتے ہیں، کہتے ہیں اگر تمہارے معاملے کا فیصلہ یہ ہو تب تو قبول کر لینا اور اگر یہ نہ ہو تو اس سے بچ کے رہنا۔ اور جس کو اللہ فتنہ میں ڈالنا چاہے تو تم اللہ کے مقابل اس کے معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا۔ ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ جھوٹ کے رسیا اور پکے حرام خور ہیں۔ اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے، خواہ ان کے معاملے کا فیصلہ کر دیا ان کو ٹال دو۔ اگر تم ان کو ٹال دوگے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان قانون عدل کے مطابق فیصلہ کرو۔ اللہ قانونِ عدل پر عمل کرنے والوں ہی کو دوست رکھتا ہے اور یہ تمہیں حکم کس طرح بناتے ہیں جب کہ تورات ان کے پاس موجود ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے، پھر حکم بنانے کے بعد برگشتہ ہو جاتے ہیں! یہ ہرگز با ایمان لوگ نہیں ہیں۔ ۴۱ - ۴۳

بے شک ہم ہی نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق خدا کے فرمانبردار انبیاء، ربانی علما اور فقہا یہود کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے، بوجہ اس کے کہ وہ کتاب الٰہی کے امین اور اس کے گواہ ٹھہرائے گئے تھے کہ لوگوں سے نہ ڈریو، مجھی سے ڈریو اور میرے احکام کو دنیا کی متاع حقیر کے عوض نہ فروخت کیجیو اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے اس میں ان پر فرض کیا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح دوسرے زخموں کا بھی قصاص ہے۔ سو جس نے اس کو معاف کر دیا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں گے تو وہی لوگ ہیں جو ظالم ٹھہریں گے۔ ۴۴ - ۴۵

اور ہم نے ان کے پیچھے، انہی کے نقشِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تصدیق کرتے ہوئے پیشتر سے موجود تورات کی اور ہم نے اس کو عطا کی انجیل، ہدایت اور روشنی پر مشتمل،

تصدیق کرتی ہوئی اپنے سے پیشتر موجود تورات کی اور ہدایت و نصیحت خدا ترسوں کے لیے۔ اور واجب ہے کہ اہل انجیل بھی فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ۴۶-۴۷

اور ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری حق کے ساتھ تصدیق کرتی ہوئی اس سے پیشتر سے موجود کتاب کی اور اس کے لیے کسوٹی بنا کر تو ان کے درمیان فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا اور اس حق سے ہٹ کر، جو تمہارے پاس آ چکا ہے، ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ضابطہ اور ایک طریقہ ٹھہرایا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس نے چاہا کہ اس چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اس نے تم کو بخشی، تو بھلائیوں کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے تو وہ تمہیں آگاہ کرے گا اس چیز سے جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ ۴۸

اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان سے ہوشیار رہو کہ مبادا وہ تمہیں اس چیز کی کسی بات سے پھسلا دیں جو اللہ نے تمہاری طرف اتاری ہے۔ پس اگر وہ اعراض کریں تو سمجھ لو کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور بے شک ان لوگوں میں سے بیشتر نافرمان ہی ہیں۔ کیا یہ جاہلیت کے فیصلہ کے طالب ہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین کرنا چاہیں۔ ۴۹-۵۰

۱۷۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ
هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا
فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ
فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ

اَنۡ یُّطَہِّرَ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ لَہُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ ۚۖ وَّ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۴۱﴾

'یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ' لفظ 'رسول' سے خطاب یہاں اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ رسول کی اصل ذمہ داری صرف اللہ کے دین کی تبلیغ اور انذار و تبشیر کے فریضہ کی ادائیگی ہے، اس امر کی کوئی ذمہ داری اس پر نہیں ہے کہ لوگ اس کی دعوت کے معاملے میں رویہ کیا اختیار کرتے ہیں۔ اگر رسول نے اپنا فرض رسالت ادا کر دیا ہے تو وہ عند اللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا، لوگ اگر کفر کی راہ میں سبقت کرتے ہیں تو ان کی پرسش رسول سے نہیں ہونی ہے بلکہ خود لوگوں سے ہونی ہے، پھر جو بات دوسروں سے متعلق ہے اس کا غم رسول کیوں کرے؟ یہاں چونکہ مقصود آنحضرت صلعم کو منافقین اور یہود کی مخالفانہ اور سازشانہ روش پر تسلی دینا اور اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ جن کا فتنہ میں پڑنا سنت الٰہی کے بموجب مقدر ہو چکا ہے وہ فتنہ میں پڑے رہیں گے۔ اس وجہ سے 'یاایھا الرسول' کے خطاب سے آپ کو مخاطب کرنا موزوں ہوا تاکہ خطاب ہی سے آپ کی ذمہ داری کی حد آپ پر واضح ہو جائے۔ آگے خطاب کی یہی مضمر حقیقت، الفاظ میں یوں واضح فرما دی گئی ہے من یرد اللہ فتنتہ فلن تملک لہ من اللہ شیئا۔ اس پر مزید بحث آیت ۶۷ کے تحت بھی آئے گی۔

'یسارعون فی الکفر' 'کفر' میں سبقت سے اشارہ یہاں منافقین کی یہود دوستی کی طرف ہے کہ یہ لوگ خدا اور اس کی شریعت سے فرار کے لیے یہود کو ملجا و ماویٰ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ زبان سے دعوے ایمان کا کرتے ہیں لیکن جب کوئی معاملہ اور قضیہ پیش آتا ہے تو ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کو آنحضرت صلعم کی عدالت میں پیش کرنے کے بجائے یہود کی عدالت میں لے جائیں تاکہ وہاں سے حسب منشا فیصلہ حاصل کر سکیں حالانکہ اللہ و رسول کی عدالت کے ہوتے ہوئے کسی اور کی عدالت کی طرف رجوع کرنا ایمان و اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف رجوع کرنا ہے۔

'سماعون للکذب' 'سمع' کے معنی جس طرح سننے کے آتے ہیں اسی طرح قبول کرنے کے بھی آتے ہیں اور 'ل' یہاں اضافت کے مفہوم کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ منافقین کی وہ صفت بیان ہوئی جس سے ان کی سبقت الی الکفر کی توجیہ ہو رہی ہے کہ ان کا من بھاتا کھاجا جھوٹ ہے، یہ جھوٹ کے رسیا اور جھوٹ کے گاہک ہیں، انہیں جھوٹی گواہی، جھوٹی عدالت اور جھوٹا فیصلہ چاہیے۔ اس وجہ سے یہ پیغمبر کی عدالت سے گھبراتے ہیں اور یہود کی طرف بھاگتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ جس جنس کے خریدار ہیں اس کی فراوانی اسی بازار میں ہے۔

رسول کی ذمہ داری

منافقین کی یہود دوستی

منافقین کا من بھاتا کھاجا

منافقین دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں

سماعون لقوم آخرین لم یاتوک ' یہ ان منافقین کی دوسری صفت ہے اور چونکہ بعینہٖ پہلی صفت ہی کا پرتو ہے اس وجہ سے حرف عطف کے بغیر مذکور ہوئی ۔ یعنی یہ منافقین اگر آپ کے پاس آتے ہیں تو اپنے ذوق و شوق سے اور حق و انصاف کے لیے نہیں آتے بلکہ دوسروں کے بھیجے ہوئے اور ان کے سکھائے پڑھائے ہوئے آتے ہیں ۔ اشارہ یہود کے علماء اور لیڈروں کی طرف ہے جن کا حال یہ بیان ہوا ہے کہ وہ خود سامنے نہیں آتے بلکہ پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے ان کٹھ پتلیوں کو نچاتے ہیں اور یہ ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں ، جو کچھ وہ کہتے ہیں یہ اسی کو مانتے ہیں اور جو کچھ ان کا ایما ہوتا ہے یہ اسی کی تعمیل کرتے ہیں ۔

کلام کو اس کے واضح محل سے ہٹانا تحریفِ دین ہے

یحرفون الکلم من بعد مواضعہ یقولون ان اوتیتم ھذا فخذوہ و ان لم تؤتوہ فاحذروا ' یہ ان یہود کی پس پردہ سازشوں سے پردہ اٹھایا اور بتایا جا رہا ہے کہ یہ منافقین جن کے مرید ہیں اور جن سے یہ الہام حاصل کرتے ہیں ان کی کارستانیاں کیا ہیں اور وہ ان کو کیا سبق پڑھا کر آپ کے پاس بھیجتے ہیں ۔ ان کی ایک کارستانی تو یہ بتائی کہ یحرفون الکلم من بعد مواضعہ ' اس کا ذکر آیت ۱۳ کے تحت بھی گزر چکا ہے ، بس یہ فرق ہے کہ وہاں یحرفون الکلم عن مواضعہ ' ہے اور یہاں ' من بعد مواضعہ ' ہے ۔ بات اگرچہ اصل حقیقت کے لحاظ سے دونوں جگہ ایک ہی ہے لیکن اس دوسرے اسلوب نے آیت کے مفہوم کو نسبتہً زیادہ واضح کر دیا ہے ۔ جملہ میں ایک مضاف عربیت کے عام قاعدے کے مطابق محذوف ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے کلام اور اس کے احکام کا موقع و محل اور اس کا محل و مصداق متعین ہو جانے کے باوجود اس کے موقع و محل سے ہٹا دیتے ہیں جس سے حکم کا مقصد بالکل فوت ہو کر رہ جاتا ہے ۔ اگر کسی حکم کا موقع و محل اور محل و مصداق واضح نہ ہو اور قاضی و مفتی اس کی تطبیق میں غلطی کر جائیں تو ان کو معذور ٹھہرایا جا سکتا ہے ، لیکن محل و مصداق کے تعین کے باوجود اس حکم کو اس کے موقع و محل سے ہٹانا صریح تحریف دین ہے اور ہم تفسیر سورہ بقرہ میں واضح کر چکے ہیں کہ یہود اپنے صحیفوں میں جس طرح تحریف لفظی کے مرتکب ہوئے ہیں اسی طرح اس انطباقی تحریف کے بھی مرتکب ہوئے ، خاص طور پر تعزیرات و حدود کے باب میں تو انہوں نے اس خنجر تحریف کو اس بے دردی کے ساتھ استعمال کیا کہ شریعت کی کوئی حد و تعزیر بھی اس سے سلامت نہ رہ سکی اور افسوس ہے کہ تحریف کی اس قسم کے ارتکاب میں یہ امت بھی یہود سے کچھ پیچھے نہیں رہی ۔

ان کی دوسری کارستانی یہ بتائی کہ یہ ان منافقین کو یہ سکھا کر آپؐ کے پاس بھیجتے ہیں کہ اگر تمہارے قضیے کا فیصلہ یہ ہو تب تو قبول کر لینا اور اگر یہ فیصلہ نہ ہو تو اس کو قبول نہ کرنا ۔ گویا اوّل تو وہ خود

ہی تحریف کے چور دروازے سے مجرم کے لیے فرار کی راہ نکال دیتے ہیں اور اگر اس میں کچھ زحمت محسوس ہوتی ہے تو آنحضرت صلعم کی عدالت میں معاملہ کو بھیج دیتے ہیں لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ فیصلہ حسب منشا ہو تب تو قبول کر لینا ورنہ اس سے کترا جانا۔ مطلب قرآن کا اس ساری پردہ دری سے یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح کے فتنہ کاروں کے ہتھے چڑھے ہوئے ہیں اور خود بھی فتنہ پسند ہیں ان کو ان کی قسمت پر چھوڑو، ان کی اس حالت پر غم نہ کرو۔

'ومن یرد اللہ فتنتہ فلن تملک لہ من اللہ شیئا' یہ ہدایت و ضلالت کے باب میں اس سنت الٰہی کا بیان ہے جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کے شروع اور دوسرے متعدد مقامات میں بیان ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز کی صلاحیت اور انسان کو اختیار کی نعمت دے کر اس کو دونوں طرح کے حالات سے آزمایا، اس کے سامنے نفس اور شیطان کی طرف سے شر اور باطل بھی آتا ہے اور فطرت اور خدائے رحمان کی طرف سے خیر اور حق بھی اور اس طرح اس کے عقل و ارادے کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ خیر اور حق کو اختیار کرتا ہے یا شر و باطل کو۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جو لوگ جانتے بوجھتے اور دیکھتے سنتے شر کو خیر پر اور باطل کو حق پر ترجیح دیتے ہیں، نہ خدا کی تنبیہات سے سبق حاصل کرتے نہ اہل حق کی نصیحتوں سے، وہ آہستہ آہستہ اپنے ضمیر اور اپنے عقل و ارادے کو اس درجہ کند اور بے حس بنا لیتے ہیں کہ ان کے اندر حق کی طرف بڑھنے کا کوئی عزم و حوصلہ سرے سے باقی رہ ہی نہیں جاتا۔ باطل ہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے اور ان کو کتنا ہی جھنجھوڑیے اور جگائیے لیکن وہ یہ بستر چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس فتنہ ہی میں اوندھے منہ پڑے چھوڑ دیتا ہے جس میں وہ پڑ چکے ہوتے ہیں۔ پیغمبر اپنی دل سوزی اور محبت حق کی وجہ سے اپنا پورا زور لگاتا ہے کہ ان کو جگائے اور جب یہ نہیں جاگتے تو بعض اوقات اس کو یہ غم ہوتا ہے کہ مبادا ان کا یہ نہ جاگنا خود اس کی کسی کوتاہی کا نتیجہ ہو۔ اسی طرح کا احساس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ کفر کی راہ میں ان لوگوں کی بھاگ دوڑ اس بات کا نتیجہ ہے کہ یہ سنت الٰہی کی زد میں آئے ہوئے ہیں اور جب یہ سنت الٰہی کی زد میں آئے ہوئے ہیں تو بھلا کس کے امکان میں ہے کہ ان کو باطل سے موڑ کر حق کی راہ پر لا سکے؟

'اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم' یہ اشارہ ہے اس سنت الٰہی کی طرف جو قرآن میں 'ختم قلوب' یا 'رین' کے الفاظ سے تعبیر ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دلوں کی تطہیر اور ان کے تزکیہ کے لیے اللہ کے ہاں ایک خاص ضابطہ ہے۔ جو لوگ نیکی اور تقویٰ کی راہ پر چلنے

ہیں اگر اثنائے راہ میں ان کو کوئی ٹھوکر لگ جاتی ہے اور وہ گر پڑتے ہیں، لیکن گرنے کے بعد پھر اٹھ کھڑے ہو تے ہیں اور توبہ و اصلاح کے ذریعہ سے دامن جھاڑ کے پھر چل کھڑے ہوتے ہیں تو خواہ ہزار بار گریں اور اٹھیں لیکن ان کے دامن دل پر میل جمنے نہیں پاتا، اللہ ان کی توبہ و اصلاح کو ان کے لیے کفارہ سیئیات بنا تا رہتا ہے۔ لیکن جو لوگ برائی اور نافرمانی ہی کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں اور گناہوں کی کیچڑ ہی میں لت پت رہنے ہی میں لذت و راحت محسوس کرتے ہیں، آہستہ آہستہ ان کے دلوں پہ اتنی سیاہی جم جاتی ہے کہ ان پر کوئی صیقل بھی کارگر نہیں ہوتا، پھر خدا انہیں جہنم کی بھٹی ہی کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

اجزائے کلام کو سمجھ لینے کے بعد نظم کے پہلو سے پھر ایک بار یہ بات ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ میثاق الٰہی کی ان دفعات کو بیان کرنے کے بعد جو دوسری ملتوں کے لیے مزلہ قدم ہوئیں، اب یہ ان چور دروازوں کی نشاندہی کی جا رہی ہے جن سے انہوں نے پہلے بھی فرار کی راہیں اختیار کیں اور اب بھی ان کو استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ ان چور دروازوں کی نشاندہی سے مقصود، جیسا کہ فحوائے کلام سے واضح ہے، اس امت کو یہ آگاہی دینا ہے کہ تم بھی پچھلی امتوں کی طرح خدا کے میثاق سے فرار اختیار کرنے والے نہ بن جانا بلکہ ہر حالت میں اس پر قائم و استوار رہنا۔ ورنہ جس طرح ان کے لیے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب عظیم ہے اسی طرح تم بھی اس کے مستحق ٹھہرو گے۔ خدا کا قانون سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۴۲

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ "سحت" کے معنی کسب حرام کے ہیں۔ کسب حرام کی یوں تو مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں لیکن اس لفظ کا غالب استعمال رشوت کے لیے ہے۔ اسی معنی میں یہ یہاں بھی استعمال ہوا ہے اور قرآن میں جہاں کہیں بھی استعمال ہوا ہے اسی معنی میں ہوا ہے۔

یہ اس گروہ منافقین و یہود کی، جن کا ذکر اوپر ہوا، مزید صفت بیان ہوئی کہ یہ جھوٹ کے رسیا اور پکے رشوت خور ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ "سماع" اور "اکال" اول تو مبالغہ کے صیغے ہیں، پھر یہ پوری گروہ کی صفت کے طور پر وارد ہوئے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں بیماریاں یہود اور ان کے ہم مشربوں پر وبا کی طرح مسلط ہو گئی تھیں اور ان کی پوری قوم ان میں مبتلا تھی۔ جھوٹ اور رشوت یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو کسی قوم میں پھیل جائیں تو اس کے اندر سے حق و عدل کا

خاتمہ ہو جاتا ہے۔ حق و عدل کا قیام، جیسا کہ 'کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط' والی آیت میں بیان ہوا ہے دو چیزوں پر مبنی ہے۔ ایک اس چیز پر کہ حق کی بے لاگ شہادت دینے والے موجود ہوں، دوسری یہ کہ قانون عدل و قسط کے مطابق بے لاگ فیصلہ کرنے والے موجود ہوں۔ یہ دونوں چیزیں نظام حق و انصاف اور قیام عدل و قسط کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اور جھوٹ اور رشوت ان دونوں کا استیصال کر دیتے ہیں۔ لفظ 'سحت' جو یہاں رشوت کے لیے استعمال ہوا ہے عربی لغت میں اصلاً استیصال کے مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ رشوت کے مفہوم کے لیے اسی لیے استعمال ہوا ہو کہ یہ چیز تمام حق و عدل کی بنیاد ہی ڈھا دیتی ہے۔

حامل شریعت امت کا اصل فریضہ

'شھداء علی الناس' اور 'قوامین بالقسط' پر سب سے بڑا خدائی فرض یہی عائد ہوتا ہے کہ وہ حق کی گواہی دینے والے، حق پر قائم رہنے والے اور حق کے مطابق بے لاگ فیصلہ کرنے والے بنیں۔ یہی اس عہد و میثاق کے قیام و استحکام کی بنیاد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر اس امت سے لیا ہے جس کو اپنی کتاب و شریعت سے نوازا ہے لیکن اس فرض کی ادائیگی اسی وقت تک ممکن ہے جب تک جھوٹ اور رشوت کی چاٹ لوگوں کو نہ لگے۔ جب جھوٹ کی چاٹ لگ جائے، جب جھوٹی گواہی دینا پیشہ بن جائے، جب گواہی کو بیچنے والے، جھوٹی گواہی کی تعلیم دینے والے، جھوٹ کو فن بنا دینے والے اور جھوٹ کی وکالت کرنے والے سوسائٹی کے ہر طبقہ میں نہ صرف یہ کہ پیدا ہو جائیں بلکہ ان کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا اور نہایت معزز القاب سے خطاب کیا جانے لگے، نیز رشوت خوری عام ہو جائے، اختیار رکھنے والے اور معاملات کا فیصلہ کرنے والے اپنے اختیار و انصاف کو خرید نی و فروختنی شے بنا دیں، جو شخص ان کو خرید سکے، خواہ ظالم ہو یا مظلوم، ان کے اختیار و اقتدار اور ان کے زبان و قلم کو اپنے حق میں استعمال کر سکے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس قوم کے اندر سے حق و انصاف کا جنازہ نکل گیا اور عہدِ الٰہی کی اس نے دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

یہود کی ایک چال اور اس کا توڑ

'فان جاءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم وان تعرض عنھم فلن یضروک شیئا' فرمایا کہ یہ لوگ جو دوسروں کے بھیجے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں اور دل میں یہ ارادہ لے کر آتے ہیں کہ اگر فیصلہ ان کے حسب منشا ہوگا تب تو قبول کریں گے ورنہ رد کر دیں گے تو ایسے لوگوں کے بارے میں تمہیں اختیار ہے کہ تم ان کے مقدمے کے فیصلے کی ذمہ داری لو یا نہ لو۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اوپر قیام عدل و قسط کی ذمہ داری اصلاً صرف انہی لوگوں سے متعلق ہے جو تمہارے دائرہ اقتدار و اطاعت کے اندر ہیں۔ جو اس سے باہر ہیں، جن کی وفاداری ابھی تقسیم ہے، جو تمہارے پاس

بھی آتے ہیں اور دوسروں سے ساز باز رکھتے ہیں، ان کی ذمہ داری مقرّ قائم پر نہیں ہے، اگر تم مصلحت دیکھو تو ان کے مقدمے لو اور اگر مصلحت نہ دیکھو تو رد کردو۔ فرمایا کہ اگر تم ان کو رد کر دو گے تو یہ تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہ اطمینان اس لئے دلایا گیا کہ یہود اس طرح کے معاملات و مقدمات آنحضرت صلعم کے پاس بھیجتے یا لاتے تو اس میں ان کی کوئی نہ کوئی مفسدانہ غرض ضرور پوشیدہ ہوتی، وہ اس سے آپؐ کے خلاف سیاسی فائدے اٹھانے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلادیا کہ اگر تم ان کا معاملہ لو تو بہر حال اس کا فیصلہ اس قانون عدل و قسط کے مطابق کرو جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے اور اگر ان کو رد کردو تو اس کا بھی تمہیں اختیار ہے۔ یہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے، حق پر قائم رہنے والے کی اللہ حفاظت کرتا ہے۔

امت کو ہر حال میں حق پر قائم رہنے کی ہدایت

وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط، ان اللہ یحب المقسطین ۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطے سے پوری امت سے گویا عہد لیا گیا ہے کہ فیصلہ اپنوں کے کسی معاملے کا ہو یا غیروں کے، بہر حال بے لاگ لپیٹ، قانون عدل و قسط کے مطابق ہو، اس لئے کہ قوامین بالقسط کا فریضہ منصبی یہی ہے اور اسی کی خاطر اللہ نے پچھلی امتوں کو معزول کرکے اس امت کو برپا کیا ہے۔ ان اللہ یحب المقسطین میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کی محبت کسی نسل و خاندان کے ساتھ نہیں بلکہ عدل و قسط قائم کرنے والوں کے ساتھ ہے، جو گروہ جب تک اس پر قائم رہے گا اور اس کو قائم کریگا اللہ اس کو دوست رکھے گا اور جس کو اللہ دوست رکھے وہی دنیا اور آخرت دونوں میں برومند اور فلاح یاب ہوگا۔

شریعت سے فرار کے لیے یہود کی ایک شرارت

وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ ثم یتولون من بعد ذلک وما اولئک بالمؤمنین (۴۳) یہ تعجب کا اظہار اس بات پر نہیں ہے کہ وہ تورات رکھتے ہوئے اپنے معاملات کے فیصلے کے لیے آپؐ کو حکم کس طرح بناتے ہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ آپؐ کو حکم بنا کر آپ کے فیصلے سے مکرتے کس طرح ہیں جبکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپؐ کے فیصلے شریعتِ الٰہی کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اوّل تو احکام، بالخصوص تعزیرات و حدود، بنیادی طور پر تورات و قرآن دونوں میں یکساں ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جن امور میں قرآن کی کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہوتی ان میں آپ فیصلہ احکامِ تورات کے مطابق فرماتے اور ان یہود کو اچھی طرح علم ہوتا کہ آپ کا فیصلہ تورات کے قانون کے مطابق ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیسی بے حیائی اور ڈھٹائی کی بات تھی کہ آپؐ کو حکم بھی بنایا جائے اور آپ کا فیصلہ اس قانونِ الٰہی کے مطابق بھی ہو جس پر ایمان

کا دعویٰ ہے لیکن پھر اس فیصلہ سے فرار اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ تفسیر کی کتابوں میں زنا کے ایک مقدمہ کا ذکر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بالکل تورات کے قانون کے مطابق تھا لیکن علمائے یہود نے اس طرح کے معاملات میں امیر اور غریب کے لیے چونکہ الگ الگ ضابطے بنا رکھے تھے اس وجہ سے وہ تورات کے اصل قوانین کو چھپاتے تھے۔ چنانچہ اس معاملے میں بھی انہوں نے بھی کوشش کی لیکن بالآخر ان کو اصل حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ روش ہر پہلو سے دعوائے ایمان کے منافی ہے۔ اول تو آپ کی عدالت میں مقدمہ کو لے جانا ہی اس خواہش کے ساتھ تھا کہ تورات کے قانون سے فرار کی شاید کوئی شکل نکل آئے، لیکن جب وہاں سے کوئی شکل نہیں نکلی تو یہ جانتے بوجھتے کہ آپ کا فیصلہ بالکل تورات کے حکم کے مطابق ہے اس سے گریز کی کوشش کی۔ فرمایا کہ وما اولٰئک بالمومنین - یہ لوگ کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ○ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (۴۴-۴۵)

تورات کا درجہ

'انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدًی ونور' اب یہ تورات کی قدروقیمت واضح فرمائی گئی کہ اللہ نے جو اس کو اتارا تھا تو بازیچۂ اطفال بنانے کے لیے نہیں اتارا تھا بلکہ زندگی کے اعلیٰ اقدار کے تحفظ کا وسیلہ، خدا اور اس کے نبیوں کے بتائے ہوئے طریقوں کی طرف رہنمائی کا ذریعہ، صراط مستقیم کی ہدایت اور خواہشات و بدعات کی تاریکیوں سے نکالنے والی روشنی بنا کر اتارا تھا۔

'یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء' یہ تورات کے سچے اور مخلص حاملین کی روش بیان ہوئی ہے کہ کس طرح اللہ کے فرماں بردار نبیوں اور مخلص علماء وفقہا

نے خود اس کی اطاعت کی اور اس کے قوانین و احکام کے مطابق وہ یہودیوں کے معاملات و مقدمات کے فیصلے کرتے رہے اور اپنے اندر برابر اس احساس ذمہ داری کو زندہ رکھا کہ وہ خدا کی طرف سے اس کے امین و محافظ اور اس کے گواہ بنائے گئے ہیں اس وجہ سے نہ تو اس میں ان کے لیے کوئی خیانت جائز ہے اور نہ اس کے اظہار و اعلان میں کوئی کوتاہی روا ہے۔ یہ اللہ کا عہد و میثاق ہے جو بہر حال انہیں پورا کرنا ہے۔ یہ آئینہ وقت کے یہود کے سامنے اس غرض سے رکھا گیا ہے کہ وہ اس میں دیکھیں کہ تورات سے متعلق ان پر کیا ذمہ داریاں عائد تھیں، ان کے صالح اسلاف نے ان ذمہ داریوں کو کس طرح نبھایا اور اب انہوں نے کس طرح اس عہدِ الٰہی کو بچوں کا کھیل بنا رکھا ہے۔

کتاب الٰہی کا حقیقی مقصد

'یحکم بہا النبیون' میں مضارع سے پہلے عربیت کے عام قاعدے کے مطابق 'کان' کا صیغہ محذوف ہے۔ یعنی کان یحکم بہا النبیون۔ (انبیاء اس کے ذریعہ سے یہود کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے)'حکم' کے لفظ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ کتاب الٰہی کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ زندگی کے معاملات و نزاعات میں امر و حکم اور فیصلہ و قضا کا ذریعہ بنے اور تمام اجتماعی و سیاسی اور قانونی معاملات اسی کی ہدایات کے مطابق اور اسی کی روشنی میں انجام پائیں۔ اگر اس کی یہ حیثیت باقی نہ رہے بلکہ وہ صرف تبرک بنا کر رکھ چھوڑی جائے، یا اس کے الفاظ کی تلاوت کر لی جائے یا اس کو صرف مردے بخشوانے کا وسیلہ سمجھ لیا جائے زندگی کے معاملات و مسائل سے نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہے بلکہ صریحاً اس کے احکام کے خلاف احکام و قوانین بنائے جائیں تو یہ اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق ہے

یہود پر ایک لطیف تعریض

انبیا کے لیے 'الذین اسلموا' کی صفت سے اس حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ یہ انبیاءٗ جو تورات کے احکام کے مطابق یہود کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے، صرف دوسروں ہی کے لیے تورات کو واجب العمل نہیں سمجھتے تھے بلکہ خود بھی خدا کے فرمانبردار اور تورات کے احکام و قوانین کے پابند تھے۔ اس میں ایک لطیف تعریض ہے ان علمائے یہود پر جنہوں نے اول تو تورات کو زندگی کے معاملات سے بالکل بے دخل کر رکھا تھا اور اگر کسی دائرے میں اس کو کوئی جگہ دی بھی تھی تو اس کی نوعیت یہ تھی کہ دوسروں کو تو اس کا حکم دیتے تھے لیکن خود اپنے آپ کو اس کا مخاطب نہیں سمجھتے تھے۔ قرآن مجید نے اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم کے الفاظ سے ان کی اسی حالت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ 'ربانی' اور 'احبار' عربی زبان میں اہلِ کتاب

سے آئے ہوئے الفاظ ہیں

'ربانی' سے مراد علما ہیں اور 'احبار' کا غالب استعمال فقہا اور قضاۃ کے لیے ہے۔ یہ دونوں الفاظ یہاں اپنے حقیقی مفہوم یعنی علمائے حقانی اور دیانت دار و راست باز فقہا و قضاۃ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا کے فرماں بردار نبیا ٹھیک تورات کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے رہے ہیں اسی طرح حق پرست علماء اور راست باز فقہا بھی اپنے فتوے اور فیصلے اس کی روشنی میں صادر کرتے رہے ہیں۔ یہاں بھی وقت کے علمائے یہود اور ان کے فقہا کو نہایت لطیف طریقے پر توجہ دلائی ہے کہ تم جن اسلاف کے اخلاف ہو ان میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو تمہاری طرح خدا کی کتاب کے معاملے میں چور اور بد دیانت نہیں تھے۔ 'بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ' میں اس ذمہ داری کا بیان ہے جس کے وہ حامل بنائے گئے تھے اور جس کے صحیح احساس ہی نے ان کی عناں گیری کی جس کے سبب سے ان کو کتاب اللہ کا حق ادا کرنے کی توفیق ملی۔ وہ یہ کہ اللہ نے ان کو اپنی کتاب کا محافظ اور امین اور خلق کے سامنے اس کا شاہد اور گواہ بنایا تھا اور ہر گروہ جو اللہ کی کتاب کا حامل بنایا جاتا ہے وہ درحقیقت اس کا محافظ اور گواہ ہی ہوتا ہے۔ یہ الفاظ بھی وقت کے یہود اور ان کے علماء و فقہا کو یاد دہانی کر رہے ہیں کہ وہ ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ پاسباں ہو کر انہوں نے خدا کے حرم میں کس طرح نقب لگائی ہے اور گواہ ہو کر کس طرح کتمان شریعت میں مہارت دکھائی ہے۔

'فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا' عام طور پر مفسرین نے اس ٹکڑے کو اوپر کے سیاق و سباق سے الگ کر کے وقت کے یہود سے خطاب کے مفہوم میں لیا ہے۔ اگرچہ الفاظ میں یہ مفہوم لینے کی بھی گنجائش ہے لیکن میرا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ اس کا تعلق بھی اوپر کے ٹکڑے ہی سے ہے البتہ قرآن کے معروف طریقہ کے مطابق یہاں اسلوب غائب کے بجائے حاضر کا ہو گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ بات غائب کے صیغے سے کہتے کہتے اچانک اسلوب حاضر کا آ جاتا ہے۔ یہ تبدیلی کلام میں تنوع بھی پیدا کر دیتی ہے اور صورت حال کا نقشہ سامنے آ جانے کے سبب سے قاری اور سامع پر اس کا اثر بھی پڑتا ہے۔ مثلاً سورہ انعام میں ہے 'وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ج يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ' ۱۲۰۔ (اور جس دن جن و انس سب کو اکٹھا کرے گا، اے جنوں کے گروہ تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو اپنے دام میں پھنسا لیا) پھر آگے ہے 'وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي

نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ، یا معشر الجن والانس (۱۳۰-۱۲۹) (اور اسی طرح ہم ظالموں میں سے ایک کو دوسرے پر ان کے اعمال کی پاداش میں مسلط کر دیتے ہیں، اے جنوں اور انسانوں کے گروہ .....) یہی اسلوب سورۂ بقرہ کی آیت وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۱۲۵ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کے محل میں ہم نے اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ ہمارے نزدیک یہی اسلوب مائدہ کی اس آیت میں بھی ہے۔ یعنی یہ بات ان شہداء سے خطاب کر کے کہی گئی تھی جن کا ذکر پہلے گزرا لیکن اس کو غائب کے صیغہ سے بیان کرنے کے بجائے حاضر کے صیغہ میں فرمایا تاکہ کلام موثر ہو جائے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ تورات میں جہاں جہاں یہود سے پابندی احکام شریعت کے عہد یعنے کا ذکر آتا ہے وہاں حضرت موسیٰؑ کی طرف سے ان باتوں کی تاکید ضرور آتی ہے جن کی طرف قرآن کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ یعنی خداوند خدا ہی سے ڈرنا، اس کے حکموں کے معاملے میں کسی کی پروا نہ کرنا، اس کی شریعت کو دنیا کے حقیر فوائد پر قربان نہ کرنا۔ اور غور کیجیے تو یہ باتیں اس امانت اور شہادت کا لازمی تقاضا ہیں جن کا بما استحفظوا من کتب اللہ وکانوا علیہ شھداء میں ذکر آیا ہے۔ جو گروہ کتاب الٰہی کا گواہ بنایا گیا ہے اس کے لیے واجب ہے کہ وہ صرف خدا ہی سے ڈرے، دوسروں کے خوف و رعب کو اپنے سینے سے نکال دے، اس کے بغیر ہر طرح کے حالات میں اس کے لیے کتاب الٰہی کی شہادت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جو جماعت کتاب الٰہی کی امین بنائی گئی ہے اس پر حرام ہے کہ وہ اپنے دینوی مفادات و اغراض کی خاطر خدا کی اس امانت میں خیانت کرے اور کتاب الٰہی پر تاویل و تحریف کی قینچی چلائے۔ مزید غور کیجیے تو یہ حقیقت بھی واضح ہوگی کہ میثاق الٰہی کی انہی تنبیہات کو فراموش کر دینے کی وجہ سے یہود شھداء اللہ اور امناء اللہ ہونے کے بجائے سماعون للکذب اور اکالون للسحت بن کر رہ گئے جس کے سبب سے خدا نے ان پر لعنت کردی۔

حقیقی کافر

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکٰفرون۔ اس ٹکڑے کا عطف چونکہ اوپر والے ٹکڑے ہی پر ہے اس وجہ سے جو حکم اُس کا ہے وہی حکم اس کا بھی ہے۔ یعنی یہ تنبیہ بھی اس تنبیہ کا ایک حصہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن کو شریعت کا امین اور گواہ بنایا ہے اگر انہی کے معاملات کے فیصلے شریعت کے مطابق نہ ہوئے تو حقیقی کافر وہی ہیں۔ اس تاکید اور زور کے ساتھ ان کے کافر قرار دینے کی وجہ وہ اہتمام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی شریعت اور کتاب

کی تعلیم دینے، اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے اور اس راہ کے خطرات سے متنبہ کرنے کے لیے فرمایا۔ جو لوگ اس سارے اہتمام کے بعد بھی راہِ حق سے بھٹک گئے انہوں نے گویا پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی اس وجہ سے یہ تمام اندھوں سے بڑھ کر اندھے ہیں۔ یہ آیت اگرچہ ہے تو یہود سے متعلق لیکن بعینہٖ یہی جرم اگر مسلمانوں کے کسی گروہ سے صادر ہو کہ وہ اختیار و آزادی رکھتے ہوئے کتابِ الٰہی کے مطابق معاملے کا فیصلہ نہ کریں، بلکہ علی الاعلان اس سے انحراف اختیار کریں تو ان کا حکم بھی یہی ہوگا اور یہی ہونا چاہیئے۔ آگے اس کی وضاحت آئے گی۔

'وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ'۔ یہ تورات کے اس قانون کا حوالہ ہے جو خروج ۲۱: ۲۳-۲۵ احبار ۲۴: ۲۰- استثنا ۱۹: ۲۱ میں مذکور ہے۔ یہ حوالہ اس بات کی تصدیق کے لیے دیا گیا ہے جو اوپر آیت ۴۳ میں مذکور ہوئی ہے کہ تورات میں حدود و تعزیرات کے واضح احکام کی موجودگی میں آخر یہ یہود کس طرح تمہیں حَکَم بنا کر تمہارے فیصلہ سے گریز کرتے ہیں اور اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دراصل یہ حدود ہی کے معاملات تھے جو یہود کے لیے سب سے زیادہ مزلۂ قدم ثابت ہوئے، اول تو انہوں نے تحریف کر کے ان کا حلیہ ہی بگاڑ دیا، پھر جو احکام تحریف کی دستبرد سے بچ رہے ان سے بھی فرار کے لیے انہوں نے مختلف قسم کے حیلے نکال لیے۔

'فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ'، میں 'لہ' کے مرجع کے بارے میں اصحابِ تاویل کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک اس کا مرجع شخص مجروح ہے۔ یعنی اگر مجروح اپنے مجرم کو بخش دے، اس سے بدلہ نہ لے، تو اس کی یہ نیکی اس کے گناہوں کے لیے کفارہ بنے گی، گویا یہ ٹکڑا مجروح کے لیے ترغیب ہے کہ وہ مجرم کو معاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک، جس میں ابن عباس، مجاہد اور ابراہیم و شعبی جیسے اکابر تفسیر شامل ہیں، اس کا مرجع جارح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مجروح (اور بصورت قتل، اولیائے مقتول) مجرم کو معاف کر دے تو یہ معافی مجرم کے لیے کفارہ بن جائے گی، حکومت اس پر کوئی گرفت نہیں کرے گی اور اگر مجرم توبہ کرے گا تو عند اللہ بھی یہ معافی اس کے لیے کفارہ بن جائے گی۔ میرا رجحان اس دوسری تاویل کی طرف ہے۔ قرآن کے الفاظ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

'وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ'، اوپر اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے 'کافرون' کا لفظ آیا ہے۔ یہاں 'ظالمون' کا لفظ ہے۔ لفظ 'ظلم' کو ہلکے معنی میں نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ قرآن میں خدا اور بندوں کے سب سے بڑے حقوق کے تلف کرنے کے لیے بھی

استعمال ہوا ہے چنانچہ شرک کو ظلم سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ اللہ کی کتاب اور اس پر عمل کی آزادی رکھتے ہوئے اس کے قانون کو نظر انداز کرتے ہیں وہ خدا کا بھی سب سے بڑا حق تلف کرتے اور خود اپنے نفس اور اللہ کے دوسرے بندوں کا بھی سب سے بڑا حق تلف کرتے ہیں اور درحقیقت اصلی ظالم یہی لوگ ہیں۔ یہ آیت بھی اگرچہ یہود کے جرائم کے بیان کے سیاق میں ہے۔ لیکن یہی جرم مسلمانوں سے صادر ہو (جس کی شہادت ہر مسلمان ملک میں موجود ہے) تو میں نہیں سمجھتا کہ اس کا حکم اس سے الگ کس بنیاد پر ہوگا۔ خدا کا قانون تو سب کے لیے ایک ہی ہے۔؟

[illegible]

یہ آیتِ قصاص، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، تورات کے ایک حکم کے حوالہ کے طور پر وارد ہوئی ہے لیکن کوئی اشارہ چونکہ اس کے منسوخ ہونے کا موجود نہیں ہے بلکہ انداز بیان اس کے محکم ہونے پر دلیل ہے اس وجہ سے یہی قانون اس امت کے لیے بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں لفظ قصاص پر بحث کرتے ہوئے ہم لکھ چکے ہیں کہ اپنے عام استعمال میں یہ لفظ قصاص جانی و مالی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اگر دیت پر راضی نامہ ہو جائے یا دیت ہی تقاضائے انصاف قرار پائے تو دیت ہی قصاص بھی جائے گی۔ تفصیلات اس کی فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۴۶-۴۷)

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔ 'قفیت علی اثرہ بفلان' کے معنی ہوں گے، میں نے اس کو اس کے پیچھے بھیجا۔ مطلب یہ ہے کہ انہی انبیاء کے نقش قدم پر جن کا ذکر اوپر گزرا ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو بعینہٖ اسی مقصد کے ساتھ آئے جس مقصد کے ساتھ ان کے پیشرو انبیاء آئے تھے۔ 'علیٰ اثارھم' کے لفظ سے انبیاء کی دعوت، ان کے مقصد اور ان کے مزاج، کردار اور طریق کار کی یکسانی اور ان کی باہمی مشابہت کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ چیز منجملہ علاماتِ نبوت کے ہے۔ جس طرح ایک ہی شجرۂ طیبہ کے برگ و بار میں مجانست ہوتی ہے اسی طرح اس مقدس گروہ کے افراد میں مجانست ہوتی ہے کہ جو ان میں سے ایک کو پہچان گیا وہ گویا سب کو پہچان گیا۔ ان

کی شناخت کے معاملے میں التباس انہی کو پیش آتا ہے جو یا تو اندھے ہوتے ہیں یا اندھے بن جاتے ہیں، جن کے اندر بصیرت ہوتی ہے وہ کبھی ان کے معاملے میں دھوکا نہیں کھاتے۔

نبی اپنی دعوت سے کوئی الگ چیز نہیں

وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ: فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ، کا جملہ چونکہ حال واقع ہوا ہے اس وجہ سے 'مصدقا'، کا عطف اس پر موزوں ہوا۔ یہاں حضرت مسیحؑ اور انجیل دونوں کی شان میں فرمایا ہے کہ 'مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ'، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ نبی اپنی دعوت اور رسالت سے کوئی الگ چیز نہیں ہوتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیشگوئی ان کے پیشرو انبیا کے صحیفوں میں موجود تھی جس کی آپ کی بعثت سے تصدیق ہوئی تھی اور یہ چیز منجملہ آپ کے دلائل نبوت کی تھی، تیسری یہ کہ انجیل نے، جہاں تک شریعت کا تعلق ہے، کوئی نئی شریعت نہیں دی ہے بلکہ یہود کی بعض بدعات کی اصلاح کے ساتھ پوری سابق شریعت کی تصدیق کر دی ہے۔

انجیل دیتے وقت اہل انجیل کو ہدایت

وَلْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اوپر ہم نے جو محل 'فلا تخشوا الناس واخشون'، والے جملہ کا قرار دیا ہے وہی محل ہمارے نزدیک یہاں اس جملے کا ہے۔ یعنی اہل انجیل کو انجیل دیتے وقت یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اپنے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کریں گے، ورنہ وہ فاسق ٹھہریں گے۔ مقصود اس کا، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہ واضح کرنا ہے کہ خدا نے اپنی جو کتاب بھی اتاری اسی مقصد سے اتاری کہ زندگی کے معاملات و نزاعات میں لوگ اس کو حکم بنائیں، نہ اس لیے کہ جزدان میں لپیٹ کر بالائے طاق رکھ دیں اور آپس میں جو قضیے پیدا ہوں ان کو طاغوت کے پاس لے جائیں یا ان کو طے کرنے کے لیے من مانے طریقے ایجاد کریں۔ بعض لوگوں نے 'ولیحکم'، کو 'ولِیحکمَ' بھی پڑھا ہے۔ ہمارے نزدیک قرأت کے اس قسم کے سارے اختلافات تاویل کے اختلاف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی اس قرأت سے بھی یہی بات سمجھانی چاہی ہے کہ اہل انجیل کو بھی انجیل اس لیے دی گئی تھی کہ یہ اس کی روشنی میں اپنے معاملات کے فیصلے کریں۔

لفظ فاسق

'فاسق'، کا لفظ یہاں فقہی مفہوم میں نہیں ہے بلکہ، جیسا کہ ہم مختلف مقامات میں واضح کرتے آئے ہیں خدا سے غداری، عہد شکنی اور سرکشی کے مفہوم میں ہے۔ گویا جو لوگ جانتے بوجھتے اور آزادی و اختیار رکھتے ہوئے اللہ کے احکام و قوانین کے خلاف فیصلے کرتے اور کراتے ہیں وہ کافر، ظالم اور فاسق ٹھہریں گے۔ یہ تنبیہ اس میثاق الٰہی کا ہمیشہ سے ایک جزو لاینفک رہی

ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے ان کو کتاب حوالہ کرتے وقت باندھا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ بعینہٖ انہی ذمہ داریوں اور اسی عہد و میثاق کے ساتھ یہ کتاب تمہارے حوالے کی جا رہی ہے تو تم ان کے درمیان بہرحال اللہ کی اس کتاب کے مطابق ہی فیصلہ کرو، کسی صورت میں بھی اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشات و بدعات کی پیروی نہ کرو۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اس سیاق میں 'بالحق' کے معنی قول فیصل کے ہوتے ہیں۔ اہل کتاب نے اپنے صحیفوں کو تحریفات کے ذریعے سے حق و باطل دونوں کا مجموعہ بنا دیا تھا، قرآن نے اللہ کا دین تمام آمیزشوں اور تحریفات سے پاک کر کے بالکل ٹھیک ٹھیک پیش کر دیا۔ 'مصدقاً' کی تاویل مختلف مقامات میں گزر چکی ہے۔

قرآن کی ذمہ داری

'مہیمن' اصل میں 'مأامن' ہے۔ دوسرا ہمزہ 'ی' سے اور پہلا 'ہ' سے بدل گیا ہے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔ (۲۳-حشر) اور قرآن کی صفت کے طور پر بھی۔ هيمن الطائر على فراخه کا مطلب یہ ہوگا کہ پرندہ اپنے بچوں کے اوپر پر پھیلائے ہوئے منڈلا رہا ہے، گویا ان کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہے هيمن فلان على كذا، فلاں اس چیز کا محافظ اور نگران بن گیا۔ اپنے سے سابق صحیفہ پر قرآن کے مہیمن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اصل معتمد نسخہ کتاب الٰہی کا ہے اس لیے وہ دوسرے صحیفوں کے حق و باطل میں امتیاز کے لیے کسوٹی ہے۔ جو بات اس کسوٹی پر کھری ثابت ہو گی وہ کھری ہے، جو اس پر کھوٹی ثابت ہو گی وہ کھوٹی ہے

مہیمن کا مفہوم

یہاں 'الکتاب' کا لفظ واحد استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن سے پہلے اصل شریعت کے اعتبار سے، کتاب الٰہی کی حیثیت درحقیقت تورات ہی کو حاصل ہے، بقیہ صحائف اس کے اجزا و فروع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

'فاحکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق' قرآن سے متعلق یہ اسی طرح کا عہد و میثاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطہ سے آپ کی امت سے لیا گیا ہے جس طرح کا عہد تورات اور انجیل سے متعلق ان کے حاملین سے لیا گیا اور جس کا ذکر اوپر گزرا۔ مطلب یہ ہے کہ اب یہی کتاب حق و باطل کی کسوٹی اور احکام الٰہی کا قابلِ اعتماد مجموعہ ہے تو تم لوگوں کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آ چکا ہے، ہرگز اس سے منحرف ہو کر ان منافقین اور یہود کی خواہشات و بدعات کی پیروی نہ کرنا جو اپنی خواہشوں کے مطابق فیصلے حاصل کرنے کے لیے تمہارے پاس آتے ہیں۔ یہ بات یہاں بغیر کسی اظہار کے ظاہر ہے کہ اس حق کو چھوڑ کر کسی باطل کے مطابق معاملات کے فیصلے کرنا اسی طرح کفر، ظلم اور فسق ہے جس طرح اوپر تورات و انجیل سے متعلق مذکور ہوا۔

'لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجا ط ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن لیبلوکم فی ما اٰتٰکم فاستبقوا الخیرات'۔ اس ٹکڑے کے صحیح موقع و محل اور اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیے بقرہ کی مندرجہ ذیل آیات پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ یہ دونوں بالکل ایک ہی موقع و محل کی آیات ہیں اور ایک ہی حقیقت کو واضح کر رہی ہیں۔ 'شرعۃ' اور 'منہاج'

* وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ ط وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ

× ولئن أتيت الذين أوتوا الكتاب بكل آية ما تبعوا قبلتك وما أنت بتابع قبلتهم وما بعضهم بتابع قبلة بعض

اور اگر تم ان اہلِ کتاب کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لا کر رکھ دو جب بھی تمہارے قبلہ کی یہ پیروی نہیں کریں گے۔ اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرنے کے، اور نہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے کا۔ اور اگر تم ان کی خواہشوں کی پیروی کرو گے بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم حق آ چکا ہے تو تم اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے بن جاؤ گے۔ جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ اس کو پہچانتے

هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ
اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ
جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۱۴۵ - ۱۴۸ بقرہ

ہیں البتہ ان میں سے ایک گروہ حق کو جانتے بوجھتے چھپاتا ہے۔ یہی حق ہے تیرے رب کی جانب سے تو تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے، وہ اسی کی طرف رخ کرے گا تو تم بھلائیوں کی سمت میں سبقت کرو، جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تم سب کو اکٹھا کرے گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس طرح یہاں سیاق سباق دلیل ہے کہ 'ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات' کا ٹکڑا جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں، اہل کتاب کے ساتھ رواداری کے اظہار کے لئے نہیں بلکہ ان کے رویہ سے بیزاری کے اظہار کے لیے ہے اسی طرح مائدہ کی زیر بحث آیت میں 'لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا' کا ٹکڑا بھی اہل کتاب کے ساتھ اظہار رواداری کے لیے نہیں بلکہ ان کے رویہ سے اظہار بیزاری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے تسکین و تسلی اور راہ حق میں سبقت کی دعوت کے لیے ہے۔

اسی طرح سورۂ حج میں ارشاد ہوا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ
نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ
وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى
مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنْ جَادَلُوْكَ
فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝
۶۷ - ۶۹ حج

ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ عبادت ٹھہرایا وہ اسی پر چلیں گے تو وہ تم سے جھگڑنے کی کوئی راہ اس معاملے میں نہ پائیں اور تم اپنے رب کی طرف بلاتے رہو اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن اس چیز میں جس میں تم اختلاف کر رہے ہو۔

آیت زیر بحث میں 'لکل' سے مراد وہی تینوں گروہ مراد ہیں جن کا اوپر ذکر گزرا یعنی یہود، نصاریٰ اور مسلمان۔ فرمایا کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ 'شرعۃ' اور 'منھاج' مقرر کیا ہے۔ 'شرعت' اور 'منہاج' سے مراد شریعت کا وہ ظاہری ڈھانچہ اور قالب ہے جو دین کے حقائق کو

بروئے کار لانے کے لیے ہر مذہب میں اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً عبادت الٰہی ایک حقیقت ہے جس کو مختلف مذاہب میں نماز، قربانی اور حج کی مختلف شکلوں صورتوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ بعض حقائق کے لیے قالب خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے اور بعض کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن سے نبی نے مقرر فرمایا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے یہاں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ پہلے کے لیے 'شرعت' کا لفظ استعمال ہوا ہے، دوسرے کے لیے منہاج کا۔

شرعہ اور منہاج میں تبدیلی کی حکمت

جہاں تک دین کے حقائق کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے غیر متغیر ہیں اور غیر متغیر ہی رہیں گے لیکن شریعت کے ظواہر و رسوم ہر امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ مقرر فرمائے تاکہ یہ چیز امتوں کے امتحان کا ذریعہ بنے اور وہ دیکھے کہ کون ظواہر و رسوم کے تعصب میں گرفتار ہو کر حقائق سے منہ موڑ لیتا ہے اور کون حقیقت کا طالب بنتا ہے اور اس کو ہر اس شکل میں قبول کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے جس میں وہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اس کے سامنے آتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں، قبلہ کی بحث میں اس امتحان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ○
۱۴۳ - بقرہ

اور ہم نے اس قبلہ کو، جس پر تم تھے، نہیں جائز رکھا تھا مگر اس لیے کہ ہم چھانٹ کر الگ کر دیں ان لوگوں کو جو رسول کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو الٹے پیچھے پھر جاتے ہیں، اگرچہ یہ بہت بھاری بات تھی مگر ان لوگوں کے لیے جن کو اللہ نے ہدایت کی توفیق بخشی اور اللہ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ وہ تمہارے ایمان کو برباد کر دے، اللہ تو لوگوں پر بڑی رافت و رحمت رکھنے والا ہے۔

یہ حکمت واضح فرمائی گئی ہے اس بات کی کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اوّل اوّل اہل کتاب کے قبلہ پر باقی رکھا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کو چھوڑ کر بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم دیا؟ ایسا کیوں نہ ہوا کہ پہلے ہی روز سے بیت اللہ ہی کو قبلہ قرار دے دیا جاتا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ یہ تبدیلی مخلصین و منافقین کے درمیان امتیاز کا ایک ذریعہ بنے۔ اس امتحان کے ذریعہ سے اس نے حق کے طالبوں اور رسولؐ کے مخلص پیروؤں کو

ان لوگوں سے الگ کر دیا جو محض ظاہرداری کے طور پر رسولؐ کے ساتھ ہو گئے تھے، فی الحقیقت انہوں نے کوئی تبدیلی قبول نہیں کی تھی بلکہ بدستور اپنے پچھلے رسوم و قیود میں گرفتار تھے۔

اسی طرح آیت زیر بحث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ منافقین اور یہود جو تم سے اور تمہاری لائی ہوئی شریعت سے بدکتے ہیں تو تم ان کی پروا نہ کرو۔ یہ اپنے پچھلے رسوم و قیود میں گرفتار ہیں اور ان کا تعصب ان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ ان سے آزاد ہو کر اس حق کو شرح صدر کے ساتھ اپنائیں جو تم نے ان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اللہ نے ہر امت کے لیے شرعت اور منہاج الگ الگ بنائے ہیں۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی منہاج دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ منہاج کی اس تبدیلی کو لوگوں کے امتحان کا ذریعہ بنائے اور دیکھے کہ کون حق کا طالب بنتا ہے اور کون حرف لکیر کا فقیر اور رسوم و ظواہر کا غلام بن کے رہ جاتا ہے۔ اللہ عقل، اختیار اور شریعت کی جو نعمت دیتا ہے اس میں وہ لوگوں کا امتحان کرتا رہتا ہے کہ کون ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے، ان کی قدر کر رہا ہے، ان کے مغز اور قشر میں امتیاز رکھتا ہے اور کون بالکل اندھا بہرا بن کر محض رسم کا پجاری بن کر رہ گیا ہے تو تم ان اندھوں بہروں کو ان کے حال پر چھوڑو اور پیغمبر نے تمہارے سامنے حصول قرب الٰہی کا جو میدان کھولا ہے اس میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ یہاں یا ایھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر والے ٹکڑے کو پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر منافقین اور ان کے مرشد یہود کفر کی راہ میں سبقت کر رہے ہیں تو ان کی اس بدبختی پر غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اہل ایمان، ایمان کے میدان میں بازی جیتنے کی کوشش کریں۔

الی اللہ مرجعکم جمیعا الایہ۔ یعنی اس دنیا میں تو بہرحال آزادی حاصل ہے کہ کوئی شخص چاہے کفر کی راہ اختیار کرے، چاہے ایمان کی لیکن منزل ہر شخص کی ایک ہی ہے لوٹنا سب کو خدا ہی کی طرف ہے، ایک دن یہ سارا اختلاف اسی کے سامنے پیش ہو گا اور وہ اس اختلاف کا فیصلہ فرمائے گا۔

'وان احکم بینھم بما انزل اللہ الایہ' مجھے بار بار یہ خیال ہوتا ہے کہ اس ٹکڑے کا عطف اوپر 'فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق' والے ٹکڑے پر ہے بیچ میں لکل جعلنا منکم شرعۃ الایہ، والا ٹکڑا بطور ایک جملہ معترضہ کے آگیا ہے۔ جملہ معترضہ کے ختم ہونے

کے بعد سلسلہ کی اصل بات کا از سرِ نو حوالہ دے کر مزید تنبیہ فرمائی کہ " واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک " ہوشیار رہو کہ مبادا وہ تمہیں فتنہ میں ڈال کر خدا کی اتاری ہوئی کسی بات سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں ۔ اس مزید تنبیہ کی ضرورت اس لیے تھی کہ یہ مرحلہ کوئی آسان مرحلہ نہیں تھا ۔ مخالف قوتیں آسانی سے سپر انداز ہونے والی نہیں تھیں ۔ فتنہ کا لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ وہ پیغمبر اور مسلمانوں کو میثاق الٰہی سے ہٹانے کے لیے اپنا پورا زور لگا دیں گی ۔ اس خطرے سے بچانے کے لیے آگاہ فرما دیا کہ وہ خواہ کتنا ہی زور لگائیں اور کتنا ہی دباؤ ڈالیں تمہیں بہر حال اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر ان کی خواہشات و بدعات کی پیروی نہیں کرنی ہے ۔

منافقین کو تنبیہ

' فان تولوا فاعلم الایۃ ' مطلب یہ ہے کہ تم مؤقف حق پر جمے رہو، اگر شریعت الٰہی کو چھوڑ کر یہ شریعت جاہلیت ہی کی پیروی پر اڑے رہے تو سمجھ لو کہ ان کی شامت آئی ہوئی ہے اور وقت آ گیا ہے کہ ان کے بعض جرائم کی سزا میں ان پر خدا کا عذاب آ دھمکے ۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ قوموں کے اجتماعی جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں دے دیتا ہے آخرت میں لوگ اپنی انفرادی حیثیتوں میں اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہوں گے ۔ ' وان کثیرا من الناس لفاسقون ' یہ دلیل بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں یہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ ان پر اللہ کا عذاب آ دھمکے ۔ فرمایا کہ اس لیے کہ ان کی اکثریت خدا کی باغی اور نافرمان ہے ۔

' افحکم الجاھلیۃ یبغون الایۃ ' یعنی خدا کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر اگر یہ کہیں اور سے فیصلہ چاہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی شریعت پر جاہلیت کے قانون کو ترجیح دیتے ہیں اور کسی مدعیٔ شریعت گروہ کی اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے ۔ جو لوگ خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے خدا کے قانون اور خدا کے فیصلے سے بڑھ کر کس کا قانون اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے ۔ اگر ان کے نزدیک کوئی اور قانون خدا کے قانون سے بڑھ کر ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو خدا اور آخرت کسی چیز پر بھی یقین نہیں ہے ۔

خدا کے قانون کے خلاف ہر قانون، قانونِ جاہلیت ہے

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ' حکم الجاھلیۃ ' کا لفظ ' ما انزل اللہ ' کے بالمقابل استعمال ہوا ہے اس وجہ سے ہر وہ قانون جو خدا کے اتارے ہوئے قانون کے خلاف ہے وہ جاہلیت کا قانون ہے خواہ وہ قرونِ مظلمہ کی تاریکی میں وجود پذیر ہوا ہو یا بیسویں صدی کی روشنی میں ۔

"میثاق"

کے پرانے پرچوں میں سے

اس کے اوّلین دور زیرِ ادارت مولانا امین احسن اصلاحی کے پندرہ شماروں
دورِ جدید زیرِادارت ڈاکٹر اسرار احمد کے جولائی ۶۶ء تا دسمبر ۶۷ء کے ۱۸
شماروں پر مشتمل چند مجلد فائل تاحال دستیاب ہوسکتے ہیں۔

ان فائلوں کے مشمولات کی فہرست مفت طلب فرمائیں

قیمت: فائل دورِ اوّل: غیر مجلد ۹٫۰۰ روپے اور مجلد ۱۲٫۰۰ روپے
فائل دورِ ثانی: مجلد ۱۰٫۰۰ روپے، محصول ڈاک ان کے علاوہ

اس کے علاوہ

مارچ ۶۷ء سے مارچ ۱۹۶۸ تک

تدبرِ قرآن تفسیر سورۂ نساء مکمل شائع ہوئی ہے

خوش قسمتی سے ان تمام شماروں کی ایک محدود تعداد تسلسل کے ساتھ دفتر میں موجود ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتابی صورت میں اس کی طباعت و اشاعت کا مرحلہ کب آئے۔ لہٰذا "تدبرِ قرآن" کے قدردان جلد از جلد ان شماروں کو حاصل فرمالیں (بعض اشاعتوں کی تعداد بہت ہی قلیل ہے لہٰذا تھوڑی سی تاخیر بھی محرومی کا سبب بن سکتی ہے۔ **قیمت:** مع اخراجات پیکنگ و محصول ڈاک ۱۱٫۰۰ روپے

نوٹ:۔ جن حضرات کے فائل نامکمل ہوں وہ جلد از جلد فی شمارہ ۷۵ پیسے کے ڈاک کے ٹکٹ ارسال کر کے پرچے طلب فرمالیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان کی فرمائش کی تعمیل ہوجائے اگرچہ ہم اس کا پختہ وعدہ نہیں کرسکتے اس لیے کہ اس دور کی بعض اشاعتیں دفتر میں نہایت ہی قلیل تعداد میں ہیں اور ان کے ضمن میں ہمیں مکمل فائل طلب کرنے والوں کی تعمیل کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

منیجر ماہنامہ میثاق لاہور

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

سائنس کی بے خدائیت کے خلاف

اقبالؒ کا جہاد

اقبال دورِ حاضر کا سب سے پہلا مفکر ہے جس نے سائنس کی بے خدائیت ——— (GODLESSNESS) کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا۔ وہ پُر درد الفاظ میں کہتا ہے

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

یہاں علم سے اقبال کی مراد سائنس ہے اور کوئی دوسرا علم نہیں۔ چنانچہ اقبال خود اپنے خطوط میں ایک جگہ لکھتا ہے:۔

"علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارو مدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو شیطنت ہے۔ یہ علم، علمِ حق کی ابتدا ہے۔"

اقبال کے اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات ہے کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب عشق کی تیغ جگر دار سائنس کی نیام کے اندر اپنی جگہ پر موجود تھی اور بعد میں یہ افسوسناک حادثہ پیش آیا کہ کسی نے اس تلوار کو اس نیام سے اڑا لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ نیام اب تک خالی پڑی ہوئی ہے۔ یہاں اقبال کا اشارہ اس تاریخی حقیقت کی طرف ہے جو سارٹن (SARTON) اور برفال (BRIFFAULT) کی تحریروں سے اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سائنسی علوم کے بانی اور سائنسی طریق تحقیق کے موجد سپین کے مسلمان تھے اور یہ مسلمان سائنس کے موجد اس لیے بنے تھے کہ ان کی مقدس کتاب قرآن حکیم

نے ان کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں ۔کیونکہ ان کا مشاہدہ اور مطالعہ خدا کی معرفت کا سب سے پہلا ذریعہ ہے۔ان کو بتایا گیا تھا کہ خدا کی ہستی اور خدا کی صفاتِ جمال وجلال کے نشانات مظاہر قدرت کے اندر آشکار ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے خدا کی معرفت کی جستجو میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور اس سے جو نتائج حاصل کئے ان کو ضبط تحریر میں لائے ۔ آج اسی قسم کے نتائج کو ہی ہم سائنس کا نام دیتے ہیں ۔ چونکہ دنیا کے ان پہلے سائنسدانوں کی سائنس خدا کے عقیدے سے پیدا ہوئی تھی لہذا وہ خدا کے عقیدہ کے اردگرد ہی گھومتی تھی ۔ جب ہسپانوی مسلمانوں کے سیاسی حالات نے پلٹا کھایا اور وہ سپین سے نکلنے پر مجبور ہوئے تو سائنس یورپ کے ان لوگوں کے ہاتھ آئی جو پولوسیت (PAULISM) یا جدید عیسائیت کے پیرو تھے ۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ دین اور دنیا الگ الگ چیزیں ہیں ۔ ایک پاک اور مقدس ہے اور دوسری ناپاک اور غیر مقدس ۔ لہذا دنیا کے علم کو جسے سائنس کہا جاتا ہے خدا سے کوئی تعلق نہیں ۔ سائنس اور سائنس والوں سے کلیسا کی گہری اور آشکار دشمنی نے اس عقیدہ کے لیے مزید ثبوت بہم پہنچایا اور کلیسا اور ریاست کے افتراق نے جو دونوں کے طویل اور شدید جھگڑوں کے بعد ایک اٹل حقیقت کے طور پر رونما ہوا تھا ۔ اس عقیدہ کو تقویت دی اور اس کے لیے راستہ صاف کیا۔ لہذا اس عقیدہ نے جامۂ عمل پہنا اور سائنس سے خدا کا نام خارج کر دیا گیا ۔ یہ کلیّت وجود میں تفریق پیدا کرنے اور خود حقیقت کائنات کو دو مختلف حصّوں میں تقسیم کرنے کی ایک نامعقول اور ناپاک جسارت تھی جس کے پیچھے کوئی علمی یا عقلی دلیل موجود نہ تھی ۔تاہم سائنس کی بے خدائیت کا عقیدہ جو اس طرح عیسائیت کے بطن سے پیدا ہوا تھا ۔ عیسائی مغرب کی دنیا میں متمکّن ہوگیا ۔ ظاہر بات ہے کہ سائنس میں اس عقیدہ کے جاگزیں ہونے کے بعد کوئی ایسے سائنسی نظریات پیدا نہ ہو سکتے تھے ۔جو اس سے مطابقت نہ رکھتے ہوں ۔لہذا ایسے سائنسی نظریات وجود میں آنے لگے ،جو دراصل اسی کی پیداوار تھے لیکن جن کو آسانی سے اس کا ثبوت سمجھا جا سکتا تھا ۔ ایسے سائنسی نظریات میں ہم انیسویں صدی کی طبعیاتی مادّیت اور میکانیت کو اور ڈارون کے میکانکی اور مادّی نظریہ ارتقاء کو شمار کر سکتے ہیں جنہوں نے اس خیال کو بظاہر ایک سائنسی حقیقت کا درجہ دیا کہ قدرت میں کوئی تخلیقی یا راہنما قوت موجود نہیں اور خدا کا عقیدہ بظاہر دونوں کی تشریح کے لیے غیر ضروری ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ رفتہ رفتہ یہ بھول گئے کہ سائنس کی بے خدائیت درحقیقت ایک مذہبی عقیدہ ہے جس کو عیسائیت نے جنم دیا تھا اور یہ سمجھنے لگے کہ یہ خود سائنس ہی

کی ایک ضرورت ہے۔ اب بھی عیسائی مغرب کے سائنس دان ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ اپنی سائنس کو ہر حالت میں اُس راستہ سے بچائیں جو خدا کے عقیدہ کی طرف جاتا ہے اور خواہ کچھ ہو جائے اس کو سختی کے ساتھ اس چار دیواری کے اندر بند رکھیں جو سائنس کی بے خدا ئیت کے نامعقول عقیدہ نے اس کے اردگرد بنا رکھی ہے۔ چنانچہ وہ ایسے حقائق کو نظر انداز کرتے ہیں جو قدرت میں کسی ذہنی یا تخلیقی قوت کی کارفرمائی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہوں خواہ وہ ثبوت کتنا ہی بیّن اور آشکار کیوں نہ ہو مثلاً وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ قدرت میں یہ سب چیزیں موجود ہیں تنظیم۔ ترتیب۔ تجویز۔ تعمیر تکمیل۔ وحدت، یکسانیت۔ تسلسل۔ مقصدیت۔ تطابق، توافق۔ جمالی فکر۔ ارتقائی حرکت زندہ حیوانات کی خود کارانہ نشوونما جو ان کو برتر اور بلند تر مدارج حیات کی طرف خود بخود لے جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں کسی ذہنی قوت کے عمل کا پتہ دیتی ہیں اگر یہ چیزیں موجود نہ ہوتیں تو طبیعاتی اور حیاتیاتی علوم ممکن ہی نہ ہوتے۔ اس کے باوجود وہ ان کے وجود سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ان کی کوئی تشریح نہیں کرتے۔ کیونکہ سائنس کی بے خدائیت کے مفروضہ کے ہوتے ہوئے وہ ان کی کوئی معقول تشریح نہیں کر سکتے۔ اگر وہ کبھی ان حقائق سے سخت مجبور ہو جائیں تو وہ ان کی تشریح کے لیے خدا کے تصوّر کو کسی حالت میں بھی استعمال نہیں کرتے بلکہ کچھ من گھڑت اور فرضی مابعدالطبعیاتی تصوّرات کو استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً جیمز جینز "ریاضیاتی ذہن" کو فرض کرتا ہے۔ برگسان کسی "قوت حیات" کا نام لیتا ہے اور ڈریش کسی "عالمی سکیم" یا "انٹی لیچی" کا ذکر کرتا ہے لیکن یہ تمام تصوّرات ناکافی اور ناتسلّی بخش ہیں۔ مثلاً کیا یہ ممکن ہے کہ کائنات میں کوئی اعلیٰ درجہ کا ریاضیاتی ذہن تو کارفرما ہو لیکن اُس میں شخصیّت کے دوسرے اوصاف مثلاً جذباتی یا اخلاقی موجود نہ ہوں یا قدرت میں ——— کوئی ایسی قوّت اجسام حیوانات کی تخلیق اور تکمیل کے کاموں میں مصروف ہو جو سوچتی سمجھتی ہو اپنے مقاصد سے آگاہ ہو اور ان کو حاصل کرنے کی قدرت رکھتی ہو لیکن ایک کامل شخصیّت نہ ہو۔ ہمارا تجربہ اس قسم کے لنگڑے تصوّرات کی نفی کرتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریاضیاتی فکر اور مقصدیت کے اوصاف جس وجود میں ہوتے ہیں وہ شخصیّت کے باقی ماندہ جذباتی اور اخلاقی اوصاف سے بے بہرہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم قرآن حکیم کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہیں کہ قدرت میں جو ریاضیاتی ذہن یا قوتِ حیات کارفرما ہے وہ خدا ہی ہے۔ لیکن سائنس کی بے خدائیت کا مذہبی عقیدہ مانع ہے کہ مغرب کے سائنسدان بات ایسے الفاظ میں کہیں۔

اگرچہ بے خدا سائنس یہ نہیں کہتی کہ خدا موجود نہیں، لیکن وہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ اس طرح

سے کرتی ہے کہ گویا ان کا کوئی خالق نہیں اور اگر ہے تو اس کی صفات کا کوئی نشان ان کے اندر موجود نہیں۔ اس طرح سے وہ اس دروازہ کو بند کر دیتی ہے جس کی راہ سے خدا کی معرفت اور محبت کا نور سب سے پہلے انسان تک پہنچتا ہے۔ اقبال کا یہ خیال قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے کہ خدا کی معرفت کا پہلا ذریعہ انسان کے حواس ہیں جن کی مدد سے وہ مظاہر قدرت میں خدا کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بغیر ہم خالق اور رب اور رحیم اور کریم اور عادل۔ اور حفیظ اور علیم، اور سمیع اور بصیر، اور مومن اور مہیمن ایسے الفاظ کے معنی نہیں سمجھ سکتے جو خدا کی صفات کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان سے قرآن حکیم کا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان لانے کے لیے مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرے۔ حواس کے بعد خدا کی معرفت کا دوسرا ذریعہ ذکر ہے جس کی مدد سے انسان قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بغیر اور مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھ کر بھی خدا کی صفات پر غور و فکر کر سکتا ہے کیونکہ وہ پہلے قدرت کے مشاہدہ سے ان الفاظ کے معنی سمجھ چکا ہوتا ہے جو خدا کی صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اس ذکر سے خدا کا حضور یا خدا کے قرب کا احساس پیدا ہوتا ہے جو عشق یا محبت ہے اور شعور یا ادراک سے بالاتر سطح کی چیز ہے۔ اقبال نے اس مطلب کو ایک شعر میں ادا کیا ہے ؎

علم حق اوّل حواس آخر حضور ٭ آخر او مے نگنجد در شعور

ایک اور جگہ وہ اس خیال کا اظہار اس طرح سے کرتا ہے ؎

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام ٭ وہ جس کی شان میں آیا ہے عَلَّمَ الْاَسْمَاءَ

مقام فکر ہے پیمائش زمان و مکان ٭ مقام ذکر ہے سبحان ربّی الاعلیٰ

الغرض بے خدا سائنس خدا کا انکار کرنے کے بغیر انسان کو اس طرح سے سوچنے اور کام کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ خدا موجود ہی نہیں۔ بے خدا سائنس نے ہی اس نامعقول اور بے بنیاد عقیدہ کو رواج دیا ہے کہ ہر معیاری فلسفہ وہی ہے جس میں خدا ایک حقیقت کے طور پر مذکور نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس کے اس زمانہ میں کائنات کے جس قدر فلسفے پیدا ہوئے ہیں مثلاً ڈاروِنزم۔ مارکسزم۔ میکڈوگلزم۔ فرائڈزم۔ ایڈلرزم۔ بی ہیوبیرازم۔ لاجیکل پازیٹوزم۔ ہیومنزم وہ سب بے خدا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس کے اس زمانہ میں انسانی فطرت اور انسانی اعمال کے جس قدر نظریات وجود میں آئے ہیں وہ بھی سب کے سب بے خدا ہیں مثلاً بے خدا فلسفہ سیاست۔ بے خدا فلسفہ اخلاق۔ بے خدا اقتصادیات۔ بے خدا قانون۔ بے خدا

فلسفہ تعلیم، بے خدا نفسیاتِ فرد اور بے خدا نفسیاتِ جماعت۔ لہٰذا سائنس کا بے خدا ہونا کوئی معمولی سا، معصوم سا اور بے ضرر سا تغیر نہیں جو صرف کتابوں ہی میں آیا ہو۔ اس نے انسان کی کتابوں کو ہی نہیں بدلا بلکہ اس کے جملہ عقیدوں، قدروں، منصوبوں، مقصدوں اور حق و باطل، نیک و بد اور خوب و زشت کے معیاروں، حتیٰ کہ امیدوں اور آرزوؤں کو بدل کر اس کے اعمال و افعال کو بھی بدل ڈالا ہے۔ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ وہ جو سوچتا ہے وہی کرتا ہے۔ اگر اس کے افکار و آراء اور اس کے تصورات و نظریات بے خدا ہوں تو اس کے اعمال و افعال کا بے خدا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا سائنس کی بے خدائیت عالم انسانی کا ایک بہت بڑا حادثہ ہے جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے۔ اسی کی وجہ سے اب دنیا میں کوئی ایسی ہمہ گیر اخلاقی اور روحانی قوت باقی نہیں رہی جو اندر سے انسانی اعمال کو ضبط میں لا کر صحیح راستہ پر ڈال سکے۔ یہی حقیقت ہے جو دورِ حاضر کے انسان کی تمام بدقسمتیوں اور پریشانیوں کا بنیادی سبب ہے۔ مثلاً عالمگیر جنگوں کا ایک سلسلہ جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ میزائیلوں اور ایٹموں کے بڑھتے ہوئے انبار، بین الاقوامی معیارِ اخلاق کا فقدان، سیاست دانوں کے جھوٹ اور فریب، سیاسی سازشیں اور ان سے پیدا ہونے والے سیاسی قتل اور سیاسی انقلابات، اقتصادی خوشحالی کے باوجود اطمینان قلب کا فقدان، اور ذہنی بیماریوں، خودکشیوں اور جرائم کی روزافزوں تعداد، آزاد جنسیت، طفولیتی بے راہ روی، علم اور استاد کے احترام کا زوال اور علمی درسگاہوں کے ضبط و نظم کا بگاڑ وغیرہ۔ اس وقت ہر جدید کالج ایسے نوجوانوں کی تربیت گاہ ہے جو خدا اور مذہب اور اخلاق کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اکبر نے ایسے ہی کالج کے لیے کہا تھا ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　-　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور اگر کوئی پوچھے کہ مسلمانوں کے علمی، دینی، اخلاقی اور سیاسی انحطاط کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب کیا ہے تو پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی سائنس کی بے خدائیت ہے جسے مسلمانوں نے بھی ہر جگہ اپنی یونیورسٹیوں میں اپنا لیا ہے۔ اقبال بڑے سوز اور درد کے ساتھ اپنے ساقی سے کسی ایسے کافر ادا معشوق کی شکایت کرتا ہے جس کے غمزۂ خونریز نے اللہ کا نام لینے والوں کی متاعِ دین و دانش کو لوٹ لیا ہے ؎

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

یہ کافرادا محبوب مغرب کا یہی بے خدا علم ہے جس نے مسلمانوں کے فکر کو اللہ سے بیگانہ کر دیا ہے۔
یہی وہ حقائق ہیں جن کی بنا پر اقبال نے سائنس کی بے خدائیت کے خلاف علم جہاد بلند کیا ہے وہ کہتا ہے۔

علم بے عشق است از طاغوتیان - علم با عشق است از لاہوتیان
علم کو از عشق برخوردار نیست - جز تماشا خانۂ افکار نیست
مکتب از مقصود خویش آگاہ نیست - تا بجذب اندرونش راہ نیست
شیخ مکتب ہے اک عمارت گر - جس کی صنعت ہے روح انسانی
نکتہ دلپذیر تیرے لیے - کہ گیا ہے حکیم قاآنی
پیش خورشید برمکش دیوار - خواہی ار صحن خانہ نورانی

اقبال ہماری توجہ بجا طور پر اس بات کی طرف مبذول کرتا ہے کہ اگر سائنس کو خدا کے تصور پر قائم کیا جائے تو ترقی کرتے ہوئے وہ اپنے غلط نتائج کو خود درست کرتی چلی جاتی ہے۔ بے خدا سائنس میں یہ خاصیت نہیں ہوتی کیونکہ وہ خدا کے تصور کی راہنمائی اور روشنی سے محروم ہوتی ہے۔

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم - کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم
وہ علم بے بصری جس میں ہمکنار نہیں - تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم

اقبال نے علم اور عشق کی ایک گفتگو نظم کی ہے جس میں وہ اپنے دلکش اشعار کی پوری قوت کے ساتھ سائنس کو خدا کے عشق کے ساتھ متحد کرنے پر زور دیتا ہے۔

سائنس کہتی ہے:

نگاہم راز دار ہفت و چار است - گرفتار کمندم روزگار است
جہان بینی بایں سو باز کردند - مرا با آنسوئے گردوں چہ کار است
چکد صد نغمہ از سازے کہ دارم - ببازار افگنم رازے کہ دارم

عشق جواب دیتا ہے

ز افسون تو دریا شعلہ زار است - ہوا آتش گداز و زہر دار است
چو با من یار بودی نور بودی - بریدی از من و نور تو نار است
بخلوت خانہ لاہوت زادی - ولیکن در نخ شیطان فتادی
بیا این خاکدان را گلستان ساز - جہان پیر را دیگر جوان ساز

بیا یک ذرہ از دردِ دلم گیر ۔ جہانِ پیر را دیگر جوان ساز
ز روزِ آفرینش ہمدم استیم ۔ ہماں یک نغمہ را زیر و بم استیم

صرف اتنی بات ہی نہیں بلکہ اقبال بڑے زور سے مسلمانوں کو اکساتا ہے کہ مستقبل کا عالمگیر ذہنی انقلاب سائنس اور خدا کے تصوّر کے الحاق سے پیدا ہوگا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اٹھیں اور سائنس کو خدا کے ساتھ ملا کر اس عالمگیر ذہنی انقلاب کی قیادت کریں ۔

غربیان را زیرکی سازِ حیات ۔ شرقیان را عشق رمزِ کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس ۔ کارِ عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چوں با زیرکی ہمسر بود ۔ نقشبندِ عالمِ دیگر شود
خیز و نقشِ عالمِ دیگر بنہ ۔ عشق را با زیرکی آمیز دہ

ہمارے نظریہ حیات کے ممکنات کے اندر اس بات کی واضح شہادت موجود ہے کہ ہم عنقریب خدا کے تصور کو سائنس سے متحد کر کے مستقبل کے اُس عالمگیر ذہنی انقلاب کی قیادت کریں گے جس کی پیش گوئی اقبال نے کی ہے :

ہم سے طلب فرمائیں

حقیقت خلافت و ملوکیّت

تالیف: علامہ سیّد محمود احمد عباسی

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تالیف

’خلافت و ملوکیّت‘ کا مسکت جواب

مستند تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں

سائز ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات : ۵۶۸ : مجلد

قیمت : قسم اوّل سفید کاغذ مع ڈسٹ کور : ۱۱/- روپے

〃 : قسم دوم نیوز پرنٹ —— : ۶/۲۵ 〃

دارالاشاعت الاسلامیہ ۔ کرشن نگر لاہور ۔ ا

ہم سے طلب فرمائیے

احادیث نبویؐ کا ایک نیا اور جامع انتخاب

"معارف الحدیث"

معہ اُردو ترجمہ وتشریح (از قلم مولانا محمدؒ منظور نعمانی، مدیرؔ "الفرقان" لکھنؤ)

احادیث نبویؐ کا محفوظ ذخیرہ اُمت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے قائم مقام ہے ایک صاحب ایمان اس کے مطالعہ کے وقت تصوّر کے راستہ سے مجلس نبوی میں پہنچ جاتا ہے آپ کے ارشادات سنتا ہے اور آپ کے اعمال وافعال اور حرکات وسکنات کو دیکھتا ہے۔

مولانا نعمانی نے احادیث کے مستند مجموعوں سے گہرے غور وفکر کے بعد وہ حدیثیں منتخب کیں جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں اُمت کے لیے ہدایت کا خاص سامان ہے۔

پھر ان کی ترتیب اور ترجمہ وتشریح میں زمانہ کی نفسیات اور آج کے فکری ماحول کو خاص طور سے سامنے رکھا اور عالمانہ یا مدرسانہ بحثوں کی بجائے مطمح نظر بس یہ رکھا کہ پڑھنے والے کا ذہن مطمئن اور دل متاثر ہو اور اس میں اتباع کا جذبہ اور کسی درجہ میں وہ ذوق عمل پیدا ہو جو صحابہ کرامؓ میں آپ کے ارشادات سے پیدا ہوتا تھا۔

الحمدللہ اس سلسلہ کی چار جلدیں عمدہ سفید کاغذ اور بڑے کتابی سائز پر حسین کتابت وطباعت کیساتھ شائع ہو چکی ہیں

جلد اوّل :- کتاب الایمان۔ یعنی ایمان آخرت۔ قیامت، حشر، صراط۔ میزان۔ حساب۔ جنّت، دوزخ وغیرہ سے متعلق حدیثیں۔ ۲۸۸ صفحات، قیمت ۵/۵۰ روپے۔

جلد دومؔ :- کتاب الرقاق والاخلاق یعنی تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں۔ اس جلد کا خاص موضوع دین کا وہ شعبہ ہے جو سلوک اور تصوف کا موضوع ہے۔ ۳۴۰ صفحات۔ قیمت ۶/۲۵ روپے

جلد سومؔ :- کتاب الطہارت والصلوٰۃ یعنی طہارت اور نماز کے ابواب کی حدیثیں، اس جلد کی جامعیت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ۴۹۲ صفحات، قیمت: ۷/۵۰ روپے

جلد چہارمؔ :- کتاب الزکوٰۃ والصوم والحج یعنی زکوٰۃ، روزہ، رمضان اور حج کے ابواب کی حدیثیں۔ ۱۹۶ صفحات قیمت ۵/۵۰

ہر جلد کے شروع میں مقدمہ ہے جو بجائے خود علمی وعرفانی تحفہ ہے جس کے مطالعہ سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

نوٹ : محصول ڈاک اس کے علاوہ ہو گا۔

دارالاشاعت الاسلامیہ - امرت روڈ، کرشن نگر لاہور - ۱

مقالات	پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

(۶)

(۵) - سید سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ حقائق و معارف القدر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری سہروردی اور چشتی ـــــ ان تینوں سلسلوں کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علیؓ کو وصیٔ نبیؐ یقین کرتے ہیں . . . . حالانکہ یہ عقیدہ ، اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے ۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ ابن سبا باقیٔ فرقۂ ضالہ سبائیہ کی ایجاد ہے ، اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور ان سے جس قدر فرقے نکلے ، سب کا سنگِ بنیاد ہے بلکہ اہل سنت اور سبائیت کے درمیان ما بہ الامتیاز ہے ۔ جو سنی صوفی خواہ وہ چشتی ہو یا قادری ۔ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علیؓ وصیٔ رسولؐ تھے ۔ وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدین رضؓ کو "غاصب" تسلیم کرتا ہے ۔ خواہ وہ مصلحتاً یا تقیتہً زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے ۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغازِ کتاب میں لکھتا ہے :-

" ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علیؑ ولی وصیؑ نبیؐ . الخ

اس کے بعد لکھتا ہے " و علی ذریتہ الحسن والحسین . . . الخ

صفحہ ۲ پر یہ رباعی لکھی ہے :-

یا رب برسالت رسول الثقلین	یا رب بغزا کنندۂ بدر و حنین
عصیان مرا دو حصہ کن در عرصات	نیمے بحسن بخش و نیمے بحسین

پوری کتاب میں حضرات شیخین کا کہیں ذکر نہیں ہے ان پر ہدیہ سلام بھیجنا تو خارج از بحث ہے ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوب نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں کیا فرق پایا جاتا ہے ؟ وہ بھی رسول کے بعد حضرت علی کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی قرار دیتا ہے ۔ اس نام نہاد سنی قادری نے بھی رسول کے بعد یک لخت حضرت علی کا ذکر کیا ہے اور انہیں وصی قرار دیا ہے ۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳۱ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے :-

"معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے [1] کہ مقتدائے زماں امین خاں سے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ شمس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کئے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے ایسا کیا تو پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا محمد کو۔ فرمایا اب پھر دیکھ۔ میں نے پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ پوچھا اب کسے دیکھا؟ میں نے کہا علی رضؓ کو۔ فرمایا پھر دیکھ۔ میں نے پھر دیکھا۔ فرمایا چہ دیدی؟ کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟ میں نے کہا عبدالقادر جیلانی رہ کو۔ فرمایا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا۔ محمد، علی اور عبدالقادر یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (باعتبار باطن) ایک وجود ہیں!!! اور عینیت تمام رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے۔ صالح شاہ نعمت اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اسی معنیٰ کو واضح فرمایا ہے :-

مصطفےٰ را مرتضیٰ دان، مرتضیٰ را مصطفےٰ
خاک در چشمِ دو بیان دغا باید زدن

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں عینیت تمام پر دلالت کرتی ہے۔

(ا) لحمک لحمی و دمک دمی (تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے)
(ب) انا و علیؓ من نورٍ واحدٍ (میں اور علی ایک ہی نور سے (مخلوق) ہیں)
(ج) انا انت و انت انا یا علی (اے علی میں تو ہوں اور تو میں ہے)

(انتہیٰ بالفاظہٖ صہ ۳۳۸ جلد دوم)

یہ روایت تو میں نے دل پر جبر کر کے نقل کر دی۔ اب اس پر تنقید کرنے کے لئے فولاد کا جگر کہاں سے لاؤں؟ اگر حضرت قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ یا حضرت! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح قدس اگرچہ ظاہراً تین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

---

[1] اس نام کی ایک کتاب شیخ عطار سے بھی منسوب ہے مگر یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی ہندی باطنی کی تصنیف کثیف ہے۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے (لقد کفرالذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثہ) اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے!

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیتِ تامہ پہ استدلال کیا ہے، اہل سنت کی مسلمہ و متداول کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں؟ یا ان کی سند کیا ہے؟

یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ یہ انہی روایات کا کرشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدر آباد دکن، گلبرگہ، اورنگ آباد، پیران کلیر، بریلی، بدایوں، دہلی، اجمیر دیوہ، ردولی، کچھوچھہ، مارہرہ، لاہور، پاک پتن، ملتان، اوچ، جلالپور پیروالہ، سیہوان، درازہ، حجرہ شاہ مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سبائیت اور باطنیت کے فروغ و شیوع کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بصمیم قلب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دورِ عقلیت میں اگر دین اسلام سے واقف مسلمان تصوف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوف کو "بے راہ روی" سے تعبیر کرتے ہیں تو حق بجانب ہیں کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ اس عاجز کی طرح قوت لایموت اور رزق مایحتاج پر قناعت کرکے بیس بائیس سال تک گوشہ میں بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تا عصرِ حاضر تصوف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں بزرگوں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سنیں۔

الحمد للہ کہ یہ عاصی و کم سواد، قرآن و حدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے) اور دراصل عبارت ہے تزکیۂ نفس سے جو مقصودِ حیات بھی ہے اور بعثت نبوی کی غایت بھی ہے اس لئے یہ طریق در ہمہ حال، مقید بالکتاب اور مقید بالسنۃ رہنا چاہیئے اس لئے تینوں کو ایک کہنا نصرانیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہو سکتی ہے اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

(۶)۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم میں اپنی ذات پاک کو مومنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ جو لوگ اللہ پہ ایمان رکھتے ہیں (ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ اللہ کی محبت میں نہایت شدید ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کو مرکزِ محبتِ مومنین اس لئے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کر سکیں کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو جو افضلیت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذلِ اموال فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ کوئی صحابی اس وصفِ خاص میں صدیق اکبرؓ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:۔

" وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى " (۹۲- ۱۷ و ۱۸)

اور یقیناً (اس آگ سے وہ) سب سے بڑا پرہیزگار (متقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔

یہ آیت جیسا کہ تمام مفسرین نے لکھا ہے، صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے "اتقیٰ" (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔ اب اس آیت پر غور کرو۔

"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" بلاشبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ، اکرم (سب سے زیادہ معزز ہیں) اسی لئے تمام مفسرین، محدثین، فقہا اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبرؓ افضل الصحابہؓ اور اس لئے انبیا کے بعد "افضل الناس ہیں۔ رضی اللہ عنہ"

پیروانِ ابن سبا نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علیؓ کو ان کی محبت کا مرکز بنا دیا اور اس مقصد کے لئے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں جن میں سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

قاضی نور اللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در ۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف احقاق الحق جلد ہفتم صد ۱۵۷ میں یہ روایت درج کی ہے :-

"اذ سمعت النداء من قبل اللہ یا محمد من تحب ان یکون معک فی الارض؟ فقلت احب من یحبہ العزیز الجبار و یا مر بمحبتہ۔ فسمعت النداء من قبل اللہ یا محمد احب علیاً فانی احبہ و احب من یحبہ۔ فبکی جبریل و قال لو ان اھل الارض یحبون علیاً کما تحبہ اہل السماء ما خلق اللہ النار"

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں) اللہ کے سامنے یہ ندا سنی گئی کہ اے محمدؐ تو کس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے۔ پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمدؐ تو علیؓ سے محبت کر کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگا اور کہا اگر اہل زمین بھی علیؓ سے محبت کرنے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا (ختم شد لفظی ترجمہ)

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ پہن کر اس روایت کو سنیوں کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزد پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئی اور اللہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور انہوں نے اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنا لیا۔

چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "حبِ حضرتِ امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ ضمیر ماست کہ ہم از اولاد آنحضرت ایم و ہم سلسلہ مشائخ ما بآنحضرت می رسد۔ چگونہ مرا حب آں جناب نباشد؟ فنا در تعصب مذاہب گرفتار نباشند۔ اگرچہ مذہب حنیفہ است براں باشند" (تعلیمات قلندریہ صـ ۱۷۷)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حبِ علی ان کا خمیر ہے۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اُسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے۔ یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک شخص محبوب تو رکھے حضرت علی رضؓ کو اور افضل یقین کرے حضرت صدیق اکبر رضؓ کو۔ پس جو شخص فی الجملہ حضرت علی رضؓ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے باہر ہے کیونکہ تشیع اور تسنن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علی رضؓ کو افضل جانتے ہیں اور سُنی حضرات حضرت صدیق اکبر رضؓ کو افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف تکمیل الایمان شرح۔ شرح عقائد نسفی میں یوں رقمطراز ہیں :۔

" والخلفاء الاربعۃ افضل الاصحاب و فضلھم علی ترتیب الخلافۃ "

چاروں خلفا تمام صحابہ رضؓ سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے یعنی پہلے صدیق اکبر رضؓ۔ پھر فاروق اعظم رضؓ۔ پھر حضرت عثمان رضؓ۔ پھر حضرت علی رضؓ (اردو ترجمہ تکمیل الایمان صـ ۶۸)

باز آمدم برسر مطلب۔ شوستری نے جو روایت نقل کی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے حالانکہ قرآن حکیم ناطق بالصواب ہے کہ " اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ " (۶۱- ۴) بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اب مسلمانوں کو اختیار ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ اقبال کے مرشد معنوی حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کئے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ مؤثر ہے :۔

سر رشتہ اتحاد ہم سے چھوٹا — آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے — ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایک شعر مرید کا بھی درج کئے دیتا ہوں :۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی (اقبال)

(۷) سید محمد گیسو دراز[1] جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے اپنی مشہور تصنیف جوامع الکلم میں لکھتے ہیں کہ:-

"خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر دو گونہ است۔ یکے خلافت صغریٰ کہ مراد از خلافتِ ظاہری است۔ دوم خلافتِ کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است و مخصوص بحضرت علیؓ است"

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سید صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں صرف ایک ہی قسم کی خلافت کا ذکر ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط (۲۴-۵۴)

(صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا (خلیفہ بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لئے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کر دے گا اور یقیناً ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

جیساکہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ یہ تینوں وعدے حضرات شیخینؓ کے مبارک عہد میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیساکہ اہل علم جانتے ہیں "باطنیت" کا تصور صحابہؓ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائیہ اسمعیلیہ قرامطہ باطنیہ کے دماغوں کی اپج ہے اور اسی لئے انہیں باطنیہ کہتے ہیں۔ سید گیسو دراز بھی انہی باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں اور مجھے اس فصل میں یہی دکھانا ہے کہ باطنیہ کے عقائد اکثر سنی صوفیوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

---

(۸) چونکہ باطنیہ کے تمام بنیادی عقائد (BASIC DOCTRINES) قرآنی تعلیمات کے

---

[1] گولکنڈے کا آخری شیعہ بادشاہ ابوالحسن المعروف بہ تانا شاہ، شاہ راجو قتال کا نہایت مخلص مرید تھا جو گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ کوئی شیعہ بقائمیٔ ہوش و حواس کسی سنی کا مرید نہیں ہو سکتا اس لئے راجو قتال کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور گیسو دراز کا مذہب ان کی مذکورہ بالا تقسیم سے ظاہر ہے۔

خلاف ہیں) اس لئے انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول کی کہ جس طرح ہو سکے اہل سنت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا جائے۔ تاکہ وہ غیر قرآنی عقائد کو قبول کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تصوف کا لباس زیب تن کیا[1] اور صوفی بن کر اپنے عقائد عوام اہل سنت میں شائع کر دیئے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ علم الاعداد ایجاد کر کے اسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا۔ ہر عدد کو خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور تعویذ و طلسم لکھ کر عوام میں تقسیم کرنا شروع کئے اس طرح عوام ان کے معتقد ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے نقوش مرتب کئے اور ان سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دیئے۔ چنانچہ کچھ عرصے کے بعد تصوف اور تعویذ لازم و ملزوم ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے۔ ان باطنی صوفیوں کے زیر اثر آ

---

[1] اگرچہ اس کے شواہد قبل ازیں پیش کر چکا ہوں تاہم ایک شاہد اور پیش کئے دیتا ہوں :-

"رسالہ در حقیقت دین" مصنفہ شہاب الدین شاہ ولد شاہ علی شاہ (باطنیہ نزاریہ شاخ کا ۴۷ واں امام) کے دیباچے میں پروفیسر آئی وے ناف لکھتا ہے " یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ فرقہ اسمٰعیلیہ نے ایران میں مجبوراً اپنی تصانیف کو فلسفہ تصوف کے لباس میں مخفی کیا اور بلاشبہ فلسفہ اسمٰعیلیت اور فلسفہ تصوف میں بہت سے امور مشترک ہیں "۔ یہ رسالہ فارسی میں ہے۔ آئی وے ناف نے اس کا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ میں قصداً اس رسالے سے چند اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرا دعوےٰ ثابت ہو سکے کہ باطنیہ نے تصوف کے پردے یا لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی اور سنی صوفیوں نے ان کے عقائد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اختیار کر کے اسلامی تصوف کو کفر و اسلام کا ملغوبہ بنا دیا اور اب غیر اسلامی عقائد کو تصوف سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

(ا) فصل پنجم در معرفت : در حدیث قدسی می فرماید " اے محمد ! اگر تو نبودے آسمانہا را خلقت نمی کردم۔ و در جائے دیگر است " اگر علی نبودے ترا خلقت نمی کردم" از آیت چناں معلوم می شود کہ اگر رسول ، ولایت او را ظاہر نمی ساخت ، رسالت ناقص بود پس این ہمہ اسباب آفرینش و ارسال رسل و انزال کتب برائے شناختن او (علی) بود" ص ۱۳

(ب) اے جلوۂ حق ! چہ طور آشکارا شدی کہ ہمہ ذرہ ہا در تو متحیر ماندند۔ خوشا جمال ازل خویش را پنہاں ساختی و ایں طور آشکارا شدی کہ جمیع خدائیت خواندند" ص ۲۱

(ج) "محمد و علی ہر دو یک نور بودند ... درمیان مردم بدو لباس جلوہ نمودند" ص ۲۴

کہ مسلمانوں نے قرآنی آیات کو لکھ کر گلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

جو قرآن مجید ہمزان سے ۱۳۳۷ھ خورشیدی میں شائع ہوا ہے، اس میں بہت سے نقوش بھی درج کئے گئے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے :-

"نقل است از خاتم المجتہدین شیخ بہاء الدین عاملی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار بہ این شکل نظر کند آتش دوزخ بروے حرام گردد۔"

وہ شکل یہ ہے :

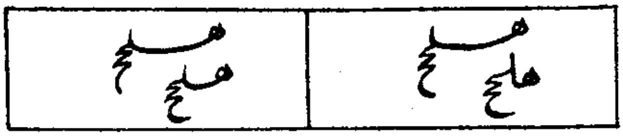

میں نے افادۂ عام کے لئے یہ شکل بجنسہٖ نقل کر دی ہے۔ اس نوعیت کے نقوش اس قرآن کے صد ۱۰۲ سے صد ۱۰۸ تک کثیر تعداد میں درج کئے گئے ہیں۔ میں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نقش مرقومہ بالا کے صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی تو قرآن مجید کی تلاوت یا اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی۔

رفتہ رفتہ مسلمان اس طلسم میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتاب نظر سے گزری جس کا نام دار النظیم ہے۔ یہ کتاب امام الفن عبد اللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں صد ۱۶ پر "اسم اعظم" بایں صورت مرقوم ہے :-

اس کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی ہے جسے حضرت علی رضا سے منسوب کر دیا ہے صد ۱۲۹ پر بضمن خواص سورۂ نور یہ عبارت مرقوم ہے جسے میں بجنسہٖ نقل کئے دیتا ہوں۔ ترجمہ کرنے سے قصداً احتراز کرتا ہوں :-

"من کتبہا و جعلہا فی فراشہ الذی ینام فیہ لم یحتلم ابداً و ان کتبت بماء زمزم و شربہا انقطع عنہ شہوۃ الجماع و ان جامع لم یجد لذتہ"

غالباً یہ مصرع انہیں کا ہے ع دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے

میں اس میں قدرے تغیر کر کے کہتا ہوں :-

دل صاحبِ ایمان سے انصاف طلب ہے!
قرآن سے یہ دل لگی! اُف کیسا غضب ہے

قرآن حکیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہوگا جو اس امام الفن نے کیا۔ بہر حال باطنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن کی جو حیثیت رہ گئی ہے اسے اقبال کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

با یاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری

---

(۹) شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سلسلۂ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے ہیں، لیکن انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہے اس میں حضرت علی رضؓ کو "وصیّ نبی" تسلیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے بحق دوازدہ ائمہ شیعہ التجا کی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شیخ جیلانی رحؒ کو بھی واسطہ بتایا ہے مگر افضل الاولیاء والائمہ بلکہ افضل الصحابہ رضؓ حضرت صدیق اکبر رضؓ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ پوری مناجات تو بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتا۔ صرف ایک شعر درج کرتا ہوں :-

بحق امام علی مرتضیٰ وصیّ نبیّ و ولیّ خدا

شاہ صاحب چونکہ عالم دین تھے اس لئے یہ حقیقت ان سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ اہل سنت اور اہل تشیع میں یہ عقیدہ (کہ علی رضؓ وصی نبی تھے) مابہ النزاع بھی ہے اور مابہ الامتیاز بھی ہے، تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضور انور رحؐ نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا۔ مگر شاہ صاحب حضرت علی رضؓ کو صاف لفظوں میں وصیِ نبی تسلیم کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک غزل میں بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے :-

ولیِ حق، وصیِ مصطفٰے دریائے فیضانے امام دو جہانے، قبلۂ دینے و ایمانے

اندریں حالات اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ شاہ صاحب بظاہر سُنی تھے مگر باطن شیعہ تھے۔ کیونکہ مناجات درکنار، انہوں نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیق اکبر رضؓ یا فاروق اعظم رضؓ کا ذکر نہیں کیا ہے، اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بظاہر سُنی ہیں، مگر حضرات عثمان غنی رضؓ۔ عمرو بن العاص رضؓ اور معاویہ رضؓ کی تنقیص و تحقیر؟ تو ہین میں شیعہ حضرات کے ہمنوا بھی ہیں اور اس ہمنوائی پر اصرار بھی کرتے ہیں۔

---

(۱۰) یہ مضمون چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لئے دیگر کتب مثلاً گلزار صابری، مناقب المحبوبین، سبع سنابل، تذکرۃ الاولیاء، سیر الاقطاب، مرأۃ الاسرار، جامع السلاسل، حبیب السیر، شواہد النبوت، روضۃ الصفا، مسجد اقصیٰ، تحفۃ الراغبین، بہجۃ الاسرار، زبدۃ الحقائق اور جوامع الکلم وغیرہم میں جو غلط روایات درج ہیں، ان کی تفصیل سے قلم کو روکتا ہوں۔ ان کتابوں کی اکثر روایات بالکل غلط ہیں اور اکثر روایات بہت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ کسی روایت کی سند بیان نہیں کی گئی ہے، صرف "منقول است" کے نسخۂ مجرب پر عمل کیا گیا ہے۔

آخر میں ملا علی قاری کی مشہور کتاب موضوعات سے چند اقتباسات درج کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں :-

(ا) سیرۃ النبی کا اولین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لئے اس نے اکثر ایسی روایتیں بھی درج کر دیں جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو سکے۔ مثلاً خیبر کا دروازہ اکھاڑنے کی روایت۔

(ب) کنت کنزاً مخفیاً الخ حدیث نہیں ہے (۱)

(ج) تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمان رضہ کے خطبہ نہ دے سکنے کی روایت بھی غلط ہے۔

(د) وکان اللّٰہ ولم یکن معہ شیٔ یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

(ہ) ائمۃ الحدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حسن بصری کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں ہے۔

"فان الائمۃ الحدیث لم یثبتوا للحسن البصری من علی سماعاً" صہ ۳۰۲

(و) خرقہ صوفیہ والی روایت کہ خدا نے معراج میں آنحضرتؐ کو ایک خرقہ عطا کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اُسے پہنا دینا۔ آنحضرتؐ نے حضرات صدیق اکبر رضہ، فاروق اعظم رضہ اور عثمان غنی رضہ سے فرداً سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کروگے؟ ان کے جوابات سے آپ مطمئن نہ ہو سکے لیکن حضرت علی رضہ کے جواب سے مطمئن ہو گئے کہ واقعی تم اس کا حق ادا کر سکوگے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ روایت بالکل غلط ہے اور معاندین صحابہ رضہ کی وضع کردہ ہے۔

(ز) یہ روایت کہ حضرت علی رضہ کی نماز قضا ہو گئی تھی اس لئے آنحضرتؐ نے آفتاب کو حکم دیا کہ غروب ہونے کے بجائے رجعت کرا ور عصر کے وقت پر قائم ہو تاکہ وہ نماز عصر وقت پر ادا کر سکیں، بھی غلط ہے[۲]

(ح) یہ روایت کہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرتؐ نے مجمع عام میں فرمایا کہ "علی رضہ میرا وصی ہے" قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔

(ط) یہ روایت کہ آنحضرتؐ نے ام المومنین سیدۃ النسا العالمین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے فرمایا تھا کہ "علی رضہ کے خلاف خروج مت کرنا"

---

[۱] اکثر صوفیا اسے حدیث سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی، شاعر اور عاشق بالعموم محدث نہیں ہوتے۔

[۲] یہ عاجز حضرت علی رضہ کی عزت ملحوظ خاطر رکھ کر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ رجعت شمس اگر ہوتی تو اس دن ہوتی جب خود آنحضرتؐ اور تمام صحابہ رضہ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ لہذا اس روایت پر عقلی اعتبار سے وہ اعتراض لازم آتا ہے جسے ارباب منطق ترجیح بلا مرجح کہتے ہیں۔ فافہم و تدبر۔

پھر آنحضرتؐ نے علیؓ سے فرمایا کہ اگر عائشہؓ خروج کرے تو تم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا —— سراسر کذب اور افترا ہے اور ام المومنین رضؓ کے دشمنوں کی وضع کردہ ہے۔

(ی) یہ روایت کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہ رضؓ کو نہیں سکھائے، بالکل غلط ہے۔[ف]

ملا علی قاری کے اس قول پر کہ " روافض نے حضرت علیؓ کے فضائل میں صرف ۳ لاکھ روایات وضع کی تھیں " اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں۔

میرا مقصد اس اقتباس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے اس کی تائید و توثیق ایک ایسے ماہرِ فن کی طرف سے ہو جائے جس نے اپنی ساری عمر احادیث کے پرکھنے میں گزاری تھی۔ اگر ناظرین علامۂ موصوف کی کتاب کا مطالعہ کریں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس سے زیادہ خود لکھ سکیں گے بشرطیکہ تعصب مانع نہ ہو جائے۔

استدراک

بخوف طوالت میں نے علم الاعداد کا تعارف نہیں لکھا۔ اب خیال آیا کہ اتنی وضاحت ضرور کر دینی چاہیئے کہ باطنیہ نے یہ علم ایجاد کیوں کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عوام کے اذہان و قلوب کو کسی دلیل و برہان کے بغیر بہت جلد اور بہت آسانی سے متاثر کیا جا سکتا ہے ذیل میں اس کی چار مثالیں درج کرتا ہوں

(۱) شیعوں کے بارھویں مزعومہ امام کی پیدائش ۲۵۶ھ میں بیان کی جاتی ہے اس کی عظمتِ روحانی کا ثبوت برہان کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! "نور" کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں اس لئے ثابت ہُوا کہ وہ نور ہے۔

(۲) بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں " ظہور حق " ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لئے دلیل یہ دی کہ دیکھو! یاظہور الحق (بہاء اللہ کے لقب) کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں!

ف یہ م سواد عرض کرتا ہے کہ آنحضرتؐ بحیثیت رسولؐ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں کوئی سِر (بھید) نہیں، کوئی راز نہیں، کوئی خفا نہیں، کوئی رمز و کنایہ نہیں۔ برعکس ایں اس کی تعلیم بالکل واضح، بین اور عیاں ہے اور اس کی پیش کردہ کتاب بھی بالکل واضح اور روشن اور جلی ہے۔ چنانچہ "تلک آیات الکتاب المبین " میرے دعوے پر شاہد ہے۔ یہ اسرار و رموز تو باطنیہ نے اسلام میں داخل کئے ہیں جن میں جہلا گرفتار ہو گئے اور اللہ و رسولؐ سے بیزار ہو گئے۔ (یوسف)

(۳) حیّ کے عدد ۱۸ ہیں۔ اس لئے ۱۴ معصومین اور ۴ ابواب یعنی یہ ۱۸ افراد بھی زندہ ہیں۔
(۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم کے عدد ۱۹ ہیں۔ اس لئے ۱۹ کا عدد مبارک ہے۔ اسی لئے بہائیوں کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔
(۵) چونکہ ۹ کا عدد کامل ہے اس لئے جس شہر میں ۹ آدمی بہائی ہو جائیں۔ وہاں بہائی محفل قائم کی جاسکتی ہے۔

(ماخوذ از "باب کی نئی تاریخ" مؤلفہ براؤن ضمیمہ دوم صـ ۳۲۸ تا صـ ۳۲۹)

قارئین کی آگاہی کے لئے مختصر طور پر یہ کہے دیتا ہوں کہ باطنیہ نے اپنا مذہب جن فلسفیانہ افکار و تصورات کی مدد سے مدوّن کیا تھا ان میں فیثا غورث کے افکار بھی شامل تھے اور جیسا کہ فلسفے کے ہر طالب علم کو معلوم ہے، فیثا غورث نے اپنے فلسفے کی بنیاد اعداد پر رکھی تھی اور یہ قول کہ نَو کا عدد کامل ہے اسی کا ہے۔ مزید معلومات کے لئے مغربی فلسفے کی کسی مستند تاریخ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اس عاجز نے اس مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ

(ا) صوفیا بالعموم صیرفیٔ حدیث نہیں ہوتے اس لئے اکثر مواقع میں مقولے اور حدیث میں فرق نہیں کر سکتے۔
(ب) بزرگانِ سلسلہ کے ملفوظات پر تنقید سوءِ ادب سمجھتے ہیں۔ یعنی جو باتیں ان سے منسوب کر دی جاتی ہیں انہیں بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ قارئین میرے اس رجحان یا نقطۂ نظر کو گستاخی پر محمول کریں گے اور اس طرزِ بیان کو "چھوٹا منہ بڑی بات" سے تعبیر کریں گے۔ اس لئے میں ذیل میں ایک ایسے شخص کے ارشادات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھا تو دوسری طرف سلوک تصوف میں اتنا بلند مقام رکھتا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ان کی کفش بر داری کے لائق بھی نہیں ہوں۔ میری مراد حضرت اقدس سیدی و مرشدی شیخ العرب والعجم مولانا الحاج الحافظ سید حسین احمد مدنیؒ سے ہے جنہوں نے چودہ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا تھا۔ حضرت اقدس اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"صوفیہ کی کتابوں میں " رجعنا من الجهاد الاصغر الی جهاد الاكبر " کو صحیح حدیث کہا گیا ہے۔ لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن عیلہ کا کلام بتایا ہے۔ الفاظ ان کلمات پر دست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں ہو سکتا اور نہ حدیث کی متداول کتابوں میں شاہ

عبدالعزیز صاحبؒ جیسے متبحر محدث نے دیکھا ہے۔ پس احادیث اور غیر احادیث کا فیصلہ محدثین کے اصول و قواعد کی رو سے کیا جائے گا کیونکہ ہر فن میں صاحب فن کی رائے اگر تسلیم نہ کی جائے تو امان اٹھ جائے گا اور شریعت کا بھرم جاتا رہے گا۔ بے چارے صوفیہ جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے، بھلا ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت۔ اور انہیں نہ اس کی عادت ہے۔ بس جو سن لیا یا دیکھ لیا، اسے باور کر لیا۔ ان کے اس حسن ظن سے کسی قول کا حدیث رسولؐ ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا۔"
(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول صہ ۳۰۷ و صہ ۳۰۸)

اگرچہ میرے زاویہ نگاہ کی تصویب و تصدیق کے لئے یہی اقتباس کافی ہے، تاہم مزید اطمینان کے لئے ایک اقتباس اور پیش کئے دیتا ہوں۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں :-

"عرض ہے کہ یہ اکابر (حضرت بابا فریدؒ اور حضرت محبوب سبحانیؒ) علم طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں لیکن علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں ہیں۔ اس کے امام حضرات ابوحنیفہ و محمد و ابویوسف اور دیگر فقہا کرام ہیں۔ اس بارے میں (سجدۂ تعظیمی کے بارے میں) ان حضرات کا قول و فعل حجت ہوگا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، جنید بغدادی، خواجہ بہاء الدین نقشبند اور خواجہ معین الدین اجمیری کے اقوال، فتاویٰ اور اعمال حجت نہیں ہوں گے اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں۔ (مکتوب ۸۸ از مکتوبات شیخ الاسلامؒ جلد سوم صفحہ ۲۲۵)

حضرت اقدسؒ کے ان ارشادات اور ان کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ میرا زاویہ نگاہ بالکل درست ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

میں نے اس مضمون میں کئی جگہ اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسمٰعیلیہ باطنیہ فرقے نے صوفیوں کے لباس میں اپنے خیالات کی اشاعت کی جس کی وجہ سے خالص اسلامی تصوف میں باطنی روایات اور عقائد کی اس طرح آمیزش ہو گئی کہ آج اکثر سنی صوفیا ان روایات اور ان عقائد کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تائید میں ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

پروفیسر سید حسین نصر (تہران یونیورسٹی) نے حال ہی میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہے (Ideals in Realities Islam) اسلام کے مطامح نظر اور حقائق۔ وہ لکھتے ہیں :-

"منگولوں کے حملے کے دوران، ایران میں اسمٰعیلی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس عہد میں اسمٰعیلیت مستور ہو گئی۔ اور بہت سے علاقوں میں صوفیوں کے سلسلوں میں ظاہر ہوئی (تاکہ اس کے دعاۃ مخالفت سے محفوظ رہ سکیں۔ دراصل اس

زمانے میں تصوف اور اسمعیلیت میں اتحاد کی ایک مستقل صورت پیدا ہو گئی تھی۔ جس کا تحقیقی مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا ہے۔" صہ ۶۰ - ۱۵۹

"اثنا عشری شیعیت میں مذہب کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو بالخصوص اہمیت دی گئی ہے اور اس اعتبار سے وہ تصوف کی ہمنوا ہے۔" صہ ۱۶۰

"تصوف اور تشیع دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ "نورِ محمدی" آدم سے لے کر ہر نبی کی ذات میں موجود رہا ہے۔" صہ ۱۶۰

"اسمعیلیت اور تصوف دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ اصلِ اعلیٰ (Supreme Principle) بیک وقت وجود بھی ہے اور فوق الوجود بھی ہے۔" صہ ۱۶۹

پروفیسر مرزا محمد سعید اپنی محققانہ تصنیف "مذہب اور باطنی تعلیم" میں لکھتے ہیں کہ "ہماری رائے میں اس بات کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ اُس مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر، جو تصوف کو ایران میں بارھویں صدی سے پندرھویں صدی عیسوی تک حاصل تھی، بہت سے نزاری (اسمعیلی) مبلغ صوفیا اور درویشوں کے لباس میں عوام کو مسخر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔" صہ ۳۲۸

نیز اسی صفحے پر لکھتے ہیں " یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا کہ بعض اسمعیلی مبلغ تصوف کا ظاہری جامہ پہن کر عوام الناس کی ارادت اور عقیدت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور بعض جماعتیں مثلاً اناطولیا کے بکتاشی یا کشمیر کے نوربخشی جو منتصوفِ سلوک و طریقت کا دعویٰ کرتی ہیں، درحقیقت شیعہ باطنیہ خیالات سے ملوث ہیں۔" صہ ۳۲۸

روزنامہ **وفاق** لاہور

ایڈیٹر :- مصطفیٰ صادق

ان گھرانوں کا پسندیدہ اخبار ہے جو اپنے افراد خاندان کو مطالعہ کا شائستہ مواد مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بھی وفاق کا مطالعہ فرمایئے۔ قیمت فی پرچہ بارہ پیسے۔ سالانہ چندہ ۳۵ روپے۔ وفاق لاہور، سرگودھا اور رحیم یار خاں سے شائع ہوتا ہے۔

جنرل منیجر روزنامہ وفاق لاہور

نادر اور کمیاب

کتب برائے فروخت

۱- عربی انگریزی لغت

مرتبہ: ای، ڈبلیو لین (E. W. LANE)
مبنی بر "لسان العرب"
آٹھ جلدیں - بڑا سائز - سفید کاغذ، صفحے میں تین کالم - بالکل نئی مطبوعہ نیویارک ۱۹۶۳ء - قیمت: نو سو روپے Rs. 900/-

۲- دائرۃ المعارف

مرتبہ محمد فرید وجدی - عربی زبان میں اسلامی اور عصری علوم کی سائیکلوپیڈیا - دس جلدیں۔
کاغذ بادامی، سائز متوسط - صفحے میں دو کالم - مستعمل - قیمت: چھ سو روپے

۳- البستان

مرتبہ: عبداللہ البستانی اللبنانی - بلند پایہ لغت، عربی سے عربی میں - دو جلدیں، مجلد چرمی، بالکل نئی، کاغذ ولایتی، صفحے میں دو کالم - ۲۷۵۰ صفحات، مطبوعہ بیروت ۱۹۲۷ء - قیمت: ۱۵۵ روپے صرف

۴- تفصیل البیان فی مقاصد القرآن

مؤلفہ: سید ممتاز علی - مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب لاہور، سات جلدیں - کل ۱۲۵۰ صفحات - بڑا سائز - مجلد مکمل، قیمت: ـــــ سو روپے

۵- مثنوی رومی

جہازی سائز ۲۰×۳۰ مطبوعہ طہران معہ مقدمہ و حواشی و مطالب و کلید مثنوی و فرہنگ - کاغذ سفید، طباعت ٹائپ - قیمت: ایک سو روپے

۶- شرح سلم العلوم

از ملا بحرالعلوم معہ حواشی مفیدہ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۸۹۱ء، ہر ورق کے ساتھ دو سادہ ورق لگے ہوئے ہیں - مجلد مکمل -
قیمت: تیس روپے

۷- حمد اللہ (شرح سلم تصدیقات) مع حواشی مفیدہ، مطبوعہ کانپور ۱۳۲۷ھ
مجلد۔ قیمت: تیس روپے

۸- سائکلوپیڈیا آف اسلام مطبوعہ ہالینڈ ۱۹۳۲ء۔ آخری جلدیں۔ انگریزی میں مشہور و معروف سائکلوپیڈیا ہے۔ قیمت چار سو روپے

۹- ملا جلال مع اخون شیخ علم کلام میں مشہور کتاب ہے مکمل، مجلد مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۲۸ھ، قیمت: چالیس روپے

۱۰- مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر دوم و سوم، مطبوعہ امرتسر ۱۹۲۰ء نایاب
سائز ۲۰×۳۰، قیمت: سو روپے

فرمائش کے ساتھ چوتھائی قیمت پیشگی آنی چاہئیے ورنہ تعمیل نہ ہوگی محصولڈاک بذمہ مشتہر ہوگا۔

المشتہر
مینیجر عشرت پبلشنگ ہاؤس ہسپتال روڈ انارکلی۔ لاہور

نوٹ ان کتب کے علاوہ اور بھی بہت سی نایاب اور نادر کتب برائے فروخت موجود ہیں۔ شائقین حضرات پندرہ پیسے کے ٹکٹ بھیجکر فہرست مفت طلب فرماسکتے ہیں۔

ہم سے طلب فرمائیں

'انوارِ مجدّدی'

یعنی — حضرات مجدّد الف ثانیؒ کے چیدہ چیدہ مکتوبات، سلیس اور شگفتہ ترجمہ مع تعارف مکتوب الیہم و حواشیٔ مفیدہ

از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

سائز ۲۰×۳۰/۱۶، صفحات ۳۸۴، مجلّد مع ڈسٹ کور
قیمت: چار روپے (محصولڈاک اس کے علاوہ)

دارالاشاعت الاسلامیہ، امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور ۱

ادارہ

تقریظ و تنقید

تفسیر ماجدی جلد اوّل (طبع ثانی) مشتمل بر تفسیر سورۂ بقرہ و آل عمران۔

۲۲x۲۹ سائز کے ۷۹۰ صفحات، کاغذ سفید۔ طباعت گوارا، جلد مضبوط۔ شائع کردہ :—
صدق جدید بک ایجنسی کچہری روڈ، لکھنؤ۔ قیمت ۱۸/- روپے

مولانا عبدالماجد دریا بادی مدظلہ میرے مخدوموں میں ہیں۔ ان کی کسی کتاب پر تقریظ یا تبصرہ لکھنا میرا منصب نہیں ہے۔ البتہ میں نے اس کتاب سے طالب علمانہ فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کی بعض ایسی خصوصیات میرے علم میں آئی ہیں جو اس کو تفسیر کی دوسری کتابوں سے، جو اردو میں لکھی گئی ہیں ممتاز کرتی ہیں۔ میں بالاختصار ان خصوصیات کی طرف اشارہ کروں گا۔

اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تفسیر کی دوسری کتابوں سے، اگر کلیۃً نہیں تو بہت بڑی حد تک مستغنی کر دیتی ہے۔ مولانا نے بڑی وسعت اور محنت کے ساتھ تمام مشہور و متداول تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے اور ہر آیت کے تحت، اپنے ذوقِ انتخاب کے مطابق، ان کی تمام کارآمد باتیں سمیٹ لی ہیں۔ بیشتر ان کی اصل عبارتوں کے حوالے بھی نقل کر دیتے ہیں جس کے سبب سے آدمی پورے اعتماد کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کسی اور تفسیر میں یہ چیز مشکل ہی سے مل سکے گی۔

اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ تورات و انجیل کے حوالے بھی بڑی تفصیل سے مولانا نے نقل کئے ہیں۔ بلکہ تورات و انجیل کے علاوہ اہلِ کتاب کی تاریخ اور ان کی الٰہیات و علم و کلام کا بھی مولانا نے وسعت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور اس مطالعہ سے بڑی مفید معلومات اس کتاب میں جمع کر دی ہیں۔ جو قرآن کے طلبہ کے لیے بالخصوص اس زمانہ میں نہایت کارآمد ہیں۔ میں نے اس سلسلہ کی بعض چیزوں سے اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' میں فائدہ اٹھایا ہے اور اس کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔

تیسری خصوصیت اس کی یہ ہے کہ یہ تاریخی اور جغرافی پہلو سے بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

قرآن میں جو اسماء و اعلام آئے ہیں، جن اقوام و مقامات کا ذکر ہوا ہے، جن اصنام و آلہہ کا کوئی حوالہ ہے مولانا نے ان سب سے تعرض کیا ہے اور جدید و قدیم معلومات کی مدد سے ان کا زمانہ اور مقام متعین کیا ہے اور اس زمانہ کے معترضین کی طرف سے، ان میں سے کسی چیز سے متعلق اگر کسی شبہہ کا اظہار کیا گیا ہے تو اس کا جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے۔

جہاں تک ترجمہ اور تفسیر کا تعلق ہے، مولانا نے بڑی احتیاط بلکہ تقشف کے ساتھ قدیم مفسرین کی پیروی کی ہے۔ اس احتیاط کا کوئی شخص قائل ہو یا نہ ہو لیکن یہ ایک معین ضابطہ کے تحت ہے۔ اس وجہ سے اس کا احترام کرنا پڑتا ہے۔ اس زمانے میں بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ زبان و بیان کے تمام ضابطوں سے آزاد ہو کر تفسیریں لکھتے ہیں، باتیں ان کی اپنی ہوتی ہیں لیکن ان کو منسوب اللہ اور قرآن کی طرف کرتے ہیں۔ اس فتنہ میں پڑنے اور دوسروں کو اس میں ڈالنے سے یہ بہتر ہے کہ آدمی پرانی ڈگر ہی پر چلے۔

مولانا کی زبان کے متعلق ہما شما کا کچھ کہنا سوءِ ادب میں داخل ہے۔ وہ اردو زبان کے مسلم ادیبوں ہی میں سے نہیں بلکہ اس کے اساتذہ میں سے ہیں۔ اگرچہ ترجمہ میں انہوں نے محسوس ہوتا ہے کہ حسن زبان پر احتیاط کو ترجیح دی ہے۔

افسوس ہے کہ اب کی بار یعنی طبع ثانی میں کتاب کو وہ حسن کتابت و طباعت حاصل نہ ہو سکا، جو طبع اول کو حاصل ہوا تھا۔ اس کا شکوہ خود مولانا کو بھی ہے لیکن امید ہے کہ کتاب کے قدر دان ظرف کو نہیں بلکہ مظروف کو دیکھیں گے اور اس کی قدر کریں گے۔ (امین احسن اصلاحی)

۲ - معارف القرآن

مؤلفہ قاضی محمد زاہد صاحب الحسینی مہتمم جامعہ مدنیہ کیمبلپور
سائز ۲۰×۲۶/۸، ۳۱۲ صفحات، کاغذ سفید، پورے کپڑے کی جلد، قیمت ساڑھے چھ روپے۔ شائع کردہ: دارالارشاد، کیمبلپور

جو لوگ عربی نہیں جانتے مگر قرآن فہمی کے آرزومند ہیں ان کے لیے یہ کتاب واقعی ایک نعمتِ عظمیٰ ہے کیونکہ فاضل مؤلف نے البرہان مؤلفہ زرکشی، البیان مؤلفہ الجزائری، مقدمہ از راغب اصفہانی، الاتقان مؤلفہ سیوطی اور الفوز الکبیر مؤلفہ امام الہند شاہ ولی اللہ مجدد دہلویؒ کو سامنے رکھ کر یہ کتاب سلیس اردو میں مرتب کی ہے۔ بلاشبہ قاضی صاحب کو فہم قرآن کی یہ نعمت بقول حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، شیخ العرب والعجم مجاہد اعظم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب

مدنی قدس سرہ العزیز کی صحبت میں رہنے کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔

"جن لوگوں نے علوم اسلامیہ سے تہی دستی کے باوجود تفسیریں لکھی ہیں اور قرآن ہی کے نام پر مسلمانوں میں الحاد اور زندقہ پھیلانے کی سعیٔ نامسعود کی ہے ان کی تمام کج فہمیوں اور گمراہیوں کا جواب اس کتاب میں موجود ہے"۔

مولانا شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے اس تبصرے کے بعد کسی مزید تعارف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بلاشبہ یہ کتاب معارف القرآن کا ذخیرہ ہے۔ اردو زبان میں کوئی کتاب اس موضوع پر ابھی تک نہیں لکھی گئی۔ تمام مشتاقانِ علوم قرآنی کو اس کتاب کے مطالعے سے انشاء اللہ بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ (یوسف سلیم چشتی)

۳- انوار مجددی

یعنی، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چیدہ چیدہ مکتوبات کا سلیس اور شگفتہ ترجمہ

- از قلم : پروفیسر یوسف سلیم چشتی
- ناشر : عشرت پبلشنگ ہاؤس ہسپتال روڈ، انارکلی، لاہور
- سائز : ۲۰×۳۰/۱۶، صفحات : ۳۸۴، مجلّد مع ڈسٹ کور
- قیمت : چار روپے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے کم از کم برصغیر ہند و پاک کا تو شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جو واقف نہ ہو، شہنشاہ اکبر نے اپنے عہد حکومت میں دین و مذہب پر جو ظلم ڈھایا تھا اور اپنی سیاسی اغراض اور حکومتی مصالح کے پیش نظر اسلام کا جو حلیہ بگاڑا تھا واقعہ یہ ہے کہ اس کے فوراً بعد اگر شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی سی زبردست شخصیت عقاید اسلامی کے دفاع اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے تحفظ کے لیے منصۂ شہود پر نہ آتی تو بظاہر احوال تو یہی نظر آتا ہے کہ پورے برّصغیر سے اسلام کا نام و نشان ختم ہو جانا یقینی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہند و پاک کے ہر مسلمان کے دل میں حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ قلبی محبت اور گہری عقیدت از خود موجود ہے۔ اور ہر صحیح العقیدہ مسلمان اپنے قلب میں ان کے لیے ایک شدید احسان مندی کا جذبہ موجود پاتا ہے۔

بایں ہمہ یہ بھی ایک دردناک حقیقت ہے کہ ان لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل ہے جو حضرت مجدد

کی حقیقی تعلیمات سے واقف ہوں اور ان کے عظیم الشان کارنامۂ حیات سے علیٰ وجہ البصیرت آگاہ ہوں ۔ اس صورت حال کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ حضرت مجددؒ کے مکتوبات اوّل تو فارسی اور عربی میں ہیں، پھر ان میں منطق، فلسفہ اور علم کلام کی دقیق اصطلاحات کا استعمال کثرت کے ساتھ ہے ۔ اور مکتوبات سے استفادے کے لیے عربی و فارسی کی واقفیت کے ساتھ ان علوم کی ممارست بھی لازمی ہے۔ دوسری طرف اس اعتبار سے من حیث القوم ہمارا جو حال ہوا وہ پروفیسر چشتی صاحب کی زبانی سنیئے :

" انیسویں صدی میں انگریزوں نے انگریزی زبان کو دفتری زبان بنا دیا (۱۸۳۵ء) اور ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان موت و حیات کی کش مکش میں گرفتار ہو گئے ۔ مجبور ہو کر انہوں نے ۱۸۷۵ء میں انگریزی پڑھنی شروع کر دی ۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسویں صدی کے آغاز میں وہ عربی سے اور اس کے بعد فارسی سے بھی بیگانہ ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ان علوم سے بھی بیگانہ ہو گئے جو عربی اور فارسی زبانوں میں متداول تھے۔ اب حالت یہ ہے کہ ہم علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، مولوی غلام یحییٰ بہاری ملّا ولی اللہ فرنگی محلی، ملّا بحر العلوم، ملّا محب اللہ بہاری، قاضی مبارک گوپاموئی، ملّا حمد اللہ سندیلوی، ملّا حسن، ملّا مبین، علامہ فضل حق خیر آبادی اور دیگر مشاہیر کی کتابوں کے ناموں سے بھی واقف نہیں ہیں۔ قصہ مختصر اب بقول اکبر الٰہ آبادی ہمارے علم اور ہماری عقل کا یہ عالم ہے کہ

جو علم پڑھایا جاتا ہے وہ کیا ہے ؟ فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے ؟ فقط سرکاری ہے " (انوارِ مجددیہ صفحہ ۲۱۵)

چنانچہ نوبت باینجا رسید کہ مکتوباتِ امام ربانیؒ کی شروح تو درکنار ان کا متن بھی پاکستان بھر میں عنقا کا درجہ رکھتا ہے ۔

مکتوبات سے عوام الناس کے اس بُعد کے مندرجہ بالا عمومی سبب کے علاوہ ایک خاص سبب جو پروفیسر صاحب کی رائے میں طبقۂ علماء کے مکتوبات کی جانب عدم التفات کا سبب بنا ہے :

" حضرت مجددؒ نے چونکہ اپنے مکتوبات میں فلسفۂ مشائیں (ارسطو کے فلسفے) اور متکلمین اور علماءِ سوء اور صوفیائے سوء اور اہلِ بدعت سبھی پر تنقید کی ہے اس لیے ان گروہوں نے ان کے مکتوبات کو لائقِ اعتناء نہ سمجھا۔ ہندوستان میں جو درسگاہیں قائم تھیں ان میں ارسطو کا فلسفہ پڑھایا جاتا تھا اور اسی کی منطق داخلِ نصاب تھی (آج بھی یہی کیفیت ہے) اور مجددؒ نے

نے ارسطو کو دنیا کا سب سے بڑا "نادان" قرار دیا ہے۔ اس لیے مکتوبات درس میں داخل نہ ہو سکے، اور اسی لیے ان کی کوئی شرح نہ لکھی گئی۔" واللہ اعلم!

مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر جو علمی بُعد اور ذہنی انقطاع حضرت مجددؒ کی ذاتِ گرامی سے برصغیر ہند و پاک کے تمام مسلمانوں کو بالعموم اور سکولوں کالجوں کی تعلیم یافتہ نئی نسل کو بالخصوص پیدا ہو گیا ہے پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی زیرِ تبصرہ تالیف اس میں کمی پیدا کرنے کی ایک اہم کوشش ہے جو ان شاء اللہ العزیز نہایت موثر ثابت ہوگی۔

دیباچے میں پروفیسر صاحب فرماتے ہیں:

"کئی سال سے یہ آرزو تھی کہ مکتوبات شریف سے جو علمی اور روحانی فوائد مجھے حاصل ہوئے ہیں، دوسرے لوگ بھی ان فوائد سے بہرہ اندوز ہوں۔ یوں بھی اس دورِ مادیّت میں جبکہ مسلمانوں کے اذہان افکارِ مغرب سے مسموم ہو چکے ہیں، مکتوباتِ شریف کے معارفِ عالیہ، تریاق اکبر کا حکم رکھتے ہیں مگر اس زمانے میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو مکتوبات جیسی ضخیم کتاب کے مطالعے کے لیے وقت نکال سکتے ہیں اور میرا تجربہ ہے کہ جب تک صوفیانہ لٹریچر پر عبور نہ ہو کوئی شخص خواہ وہ فارسی اور عربی دان کیوں نہ ہو، ان مکتوبات سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اگر ان مکتوبات کی تلخیص اس نہج پر کی جائے کہ جو مباحث یا مضامین سیر و سلوک، احوال و مواجید اور اسرار و رموز سے تعلق رکھتے ہیں انہیں حذف کر دیا جائے اور جو مضامین عقائد و اعمال، پند و موعظت، اصلاحِ نفس اور احکامِ شرعی پر مشتمل ہیں انہیں مقتبس کر لیا جائے تو کتاب کی ضخامت بھی کم ہو جائے گی اور اس کے استفادے کا دائرہ بھی وسیع ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی انداز پر کام کر کے یہ تلخیص، بصورتِ کتاب، پیش کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عوام اور خواص دونوں کے لیے نافع بنائے۔"

افادۂ عوام کی غرض سے پروفیسر صاحب نے ایک تو جیسا کہ ان کے اپنے بیان سے ظاہر ہے دقیق مضامین پر مشتمل مکتوبات کو چھوڑ کر عام فہم اور آسان مضامین مشتمل مکتوبات کا انتخاب کیا ہے۔ دوسرے نہایت مفید اور بیش قیمت حواشی کا اضافہ کر دیا ہے، اور تقریباً ہر مکتوب کے مکتوب الیہ کا ذاتی تعارف بھی درج کر دیا ہے۔ اس طرح زیرِ تبصرہ کتاب نے حقائق و معارفِ مجددیہؒ کی نہایت عمدہ ابتدائی کتاب (پرائمر) کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ بقول چشتی صاحب:

"یہ مکتوبات بلا مبالغہ جواہرات کی کان ہیں۔ میں نے اس معدنِ جواہر میں سے چند جواہر اس لیے پیش کئے ہیں کہ شاید میری قوم کے تعلیم یافتہ افراد میں حقائق و معارف کے حصول کا ذوق پیدا ہو سکے۔"
ہماری رائے میں مندرجہ بالا مقصد کے لیے چشتی صاحب کی یہ کوشش یقیناً بہت مفید ہے

واضح رہے کہ مندرجہ بالا 'تبصرہ' پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی 'تالیف' پر ہے نہ کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے 'مکتوبات' پر! ——— مکتوبات شریف پر تبصرہ کا مقام تو راقم الحروف کو ہرگز حاصل نہیں البتہ ان کے بارے میں چند ایک 'تاثرات' ضرور پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور اس سے بھی غرض صرف یہ ہے کہ قارئین 'میثاق' میں حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے مطالعے کا شوق پیدا ہو۔ اور وہ علم کے اس گنج گرانمایہ کی جانب متوجہ ہوں۔
واقعہ یہ ہے کہ مکتوباتِ امام ربانیؒ کے مطالعے سے حضرت مجددؒ کی شخصیت کی جلالت و عظمت کا ایک عجیب نقش قلب انسانی پر قائم ہوتا ہے اور ان کے رعب اور دبدبے کی ایک عجیب کیفیت قلب میں پیدا ہوتی ہے، عجیب تر بات یہ ہے کہ تلخیص اور ترجمے کے مراحل سے گزرنے کے باوجود ان مکاتب کی تاثیر علیٰ حالہ قائم ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں زیادہ دخل ؎ "از دل خیزد بر دل ریزد" کو ہے یا ؎ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" ——— کو!!
مکاتیب شریف میں عقاید اسلامی کو ان کی اصل صورت میں جو فطرتِ انسانی سے نہایت قریب اور فہم انسانی کی عمومی سطح کے بہت نزدیک ہے۔ جس طرح سادہ ترین الفاظ لیکن نہایت زوردار اور دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ہے وہ غالباً صوفیانہ ہی نہیں عام مذہبی لٹریچر میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ امام ربانیؒ کے یہ مکاتیب دراصل دو دھاری تلوار ہیں جو ایک طرف فلسفہ و منطق کی موشگافیوں کا قلع قمع کرتی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف تصوّف کی گمراہیوں کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرتی ہے ——— اور ان دو طرفہ رنگ آمیزیوں کو دور کرتی ہوئی عقائد اسلامی کی اصل فطری و فی نفسہٖ تابناک صورت کی جلوہ نمائی کا سامان کرتی چلی جاتی ہے ——— ! شریعت کی پابندی اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر جو زور اقلیم تصوّف کے اس تاجدارؒ کے مکاتیب میں ملتا ہے اس کی مثال طبقۂ علمائے ظاہر کی اونچی سطح کی تحریروں میں بھی ڈھونڈھے ہی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ جو یقین و اذعان

حضرت مجدد کی تحریروں سے چھلکا پڑتا ہے اس تک ہر شخص کی رسائی کہاں ؟

حضرت امام ربانیؒ کے ان مکتوبات کے مطالعے سے ایک نہایت اہم حقیقت جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں جہاں حکومت اور اقتدار بھی لازماً فساق و فجار ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے علمائے ربانی کے لیے صحیح طرز عمل اور اقامت دین کی صحیح راہ کونسی ہے ۔ ایک بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں ارباب اقتدار و اختیار کے سامنے ان کے اقتدار کے حریف اور مدمقابل کی حیثیت سے آنا نہایت غلط اور پیش نظر مقصد کے لیے نہایت مضر ہے ۔ اور اصلاح احوال کی موثر صورت صرف یہ ہے کہ خود ان کے ذہنوں کو بدلنے اور ان کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کی جائے ۔ امام ربانیؒ کا عجیب کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اقتدار وقت اور حکومت ملک سے ٹکر بھی لی اور قید و بند کی صعوبتیں بھی سہیں لیکن اس شان سے کہ ان پر ہوس اقتدار اور طلب حکومت کا الزام ان کا کوئی بدترین دشمن بھی نہ رکھ سکا ۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مخلصانہ دعوت اور خیر خواہانہ نصیحت (الدین النصیحۃ : الحدیث) کے ذریعے عمال حکومت کے دلوں میں انقلاب برپا کر دیا اور ان میں ایسے ایسے اللہ والے پیدا کر دیئے جن کی مثال خانقاہوں میں تربیت یافتہ اہل اللہ میں بھی ڈھونڈے ہی سے ملے ——— نتیجۃً ایک 'خاموش انقلاب' واقع ہو گیا ۔ اور برصغیر میں اسلام کا مستقبل محفوظ ہو گیا ۔ فجزاہُ اللہ عنّا خیر الجزاء ۔ کاش کہ آج بھی ہمارے علماء اور داعیان حق حضرت مجددؒ کے 'طریق انقلاب' کو اپنانے کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کر سکیں !! ۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ویسے تو دقیق اور پیچیدہ مسائل سے اپنی اس تالیف میں قطع نظر کیا ہے ۔ لیکن عجیب بات ہے کہ الہیات اور فلسفۂ وجود کے دقیق ترین اور پیچیدہ ترین مسئلے یعنی وحدت وجود یا وحدت شہود سے بھرپور بحث کی ہے ۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ عمر بھر فلسفہ و منطق اور علم کلام پڑھتے رہنے کی بنا پر پروفیسر صاحب کے لیے یہ مسئلہ آسان بلکہ 'عام فہم' ہو گیا ہے ۔ بہر حال اس مسئلے میں پروفیسر صاحب کی تحقیق وہی ہے جو امام الہند شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی ہے ۔ یعنی شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مسلک وحدت وجود اور شیخ احمد سرہندیؒ کے مسلک وحدت شہود میں بنیادی فرق نہیں ہے ۔ بلکہ اصول کی حد تک حقیقت وجود کے یہ دو عظیم شارح بالکل متفق الآرائے ہیں صرف تفصیل میں کچھ فرق ہے لیکن وہ بھی درحقیقت تعبیر کے اختلاف سے

زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ——— اس معاملے میں پروفیسر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت مجددؒ نے ابتدائی زمانے کے مکاتیب میں جو دفتر اوّل و دوم میں شامل ہیں۔ شیخ ابن عربیؒ کی جو صراحتاً مخالفت کی تھی اس سے آخر عمر میں آپؒ نے رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ دفتر سوئم کے متعدد مکتوبات اس پر شاہد عادل ہیں۔ ——— دفتر سوم کے مکتوب ۵۸ پر پروفیسر صاحب نے 'وحدتِ وجود' اور 'وحدتِ شہود' پر ایک اہم 'استدراک' تحریر کیا ہے جس کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے کہ :

" خلاصہ کلام بلکہ بقول امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان دونوں بزرگوں میں صرف تعبیر کا فرق ہے لا فرق بین العبارتین الّا فرقاً ضعیفاً - یعنی ان دونوں عبارتوں میں بہت تھوڑا سا فرق ہے (دیکھو مکتوب مدنی از شاہ صاحبؒ) "

اس اہم اور دقیق مسئلے پر پروفیسر صاحب نے مکتوبات کی شرح کے ضمن میں جو کچھ لکھا ہے اس سے کم از کم یہ ضرور اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کا اپنا ذہن اس معاملے میں بالکل صاف اور متعین ہے۔ پھر اس کی تشریح انہوں نے جس آسان انداز میں کی ہے اس سے واقعۃً مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے ——— اور 'حقیقتِ وجود' کے دقیق و غامض مسئلے سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس میں بڑی رہنمائی ہے۔

کتاب نیوز پرنٹ پر طبع ہوئی ہے اور اس کی کتابت و طباعت بس گوارا ہی کہی جا سکتی ہے اور اس کا سبب غالباً یہی ہے کہ مصنف اور ناشر دونوں کا گمان یہی ہے کہ موجودہ حالات میں ایسی کتابوں کی مانگ کہاں! - کاش کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن جلد ختم ہو جائے، اور دوسرا ایڈیشن عمدہ و شایانِ شان طبع ہو۔

——— (اسرار احمد) ———

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر   وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
جس خاک سے شرمندہ ہیں گردوں کے ستارے   جس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے   جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
اقبالؒ

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی نمبر 1

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

اسرار احمد

★

"As the title indicates it deals with the revivalist movements of Islam in recent times, and points out their flaws. It says that they were either too eager to interpret Islam so as to make it hold its ground against the onslaught of the so called rationalism of the West, or over—anxious to construct out of it a political system. Both these movements, says the author, did not appreciate the spiritual element, i.e. true faith and sincere devotion to Allah. The causes that made the West godless have been discussed in a scholarly way, and for those who may like to read a good bibliography has been provided on the philosophic thought of Europe."
Fortnightly **'Yaqeen International'** Karachi.

★ — فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء ★ — بنیادی نقطۂ نظر
★ — عالم اسلام پر مغرب کی سیاسی و فکری یورش
★ — مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل
★ — علوم عمرانی کا ارتقاء
★ — اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تحریکیں
★ — تعبیر کی کوتاہی ★ — احیائے اسلام کی شرط لازم : تجدید ایمان
★ — کرنے کا اصل کام ★ — عملی اقدامات ——— اور
★ — مضامین مندرجہ بالا کی تائید و توثیق بعنوان ———

"فکر مغرب کی اساس
اور اس کا تاریخی پس منظر"

از قلم : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

سائز ۲۲×۱۸/۸ ، صفحات : ۵۶ ، طباعت آفسٹ ، قیمت : ایک روپیہ

شائع کردہ

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ ، کرشن نگر ، لاہور - 1 فون نمبر 69522

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 15 | SEPTEMBER 1968 | No. 8,9

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبّرِ قرآن

جلد اول ——— مشتمل بر

مقدمہ و تفاسیر آیۂ بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۲۲×۲۹ ، صفحات ۸۸۰

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ ۳۰ روپے

(محصولڈاک : دو روپے تیس پیسے)

(بتیس روپے تیس پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

(نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں)

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ ، کرشن نگر ، لاہور نمبر - 1 فون نمبر 69522

(سول ایجنٹ برائے بھارت : کتب خانہ الفرقان ، کچہری روڈ — لکھنؤ)

طابع : محمد طفیل مالک نقوش پریس آردو بازار لاہور

پبلشر : محی الدین